سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ہر مسلمان کیلئے قرآن پاک کے بعد سب سے بڑا سرمایہ فخر اس کے رسول کے احوال پاک اور کلمات طیبات ہیں جنکے مجموعہ کا نام سیرۃ نبوی ہے، اردو میں اس وقت بالاتفاق سب سے کامل اور مستند سیرۃ نبوی یہی ہے جس کو دار المصنفین نے شائع کیا ہے، و الحمد للہ علیٰ ذلک، اب تک اس کتاب کے چار حصے شائع ہو چکے ہیں، اور تین حصے اور باقی ہیں،

سیرۃ النبی حصہ اول، از ولادت تا ختم سلسلہ غزوات مع مقدمہ مشتمل بر نقد و فن سیرۃ و تاریخ عرب قبل بعثت، طبع دوم ضخامت [illegible] صفحے، قیمت بالاختلاف کاغذ [illegible] تقطیع خورد،

سیرۃ النبی حصہ دوم، از [illegible] تا [illegible] جس میں [illegible] خلافت، اشاعت اسلام، انتظامات مذہبی، تکمیل شریعت، حجۃ الوداع، وفات اور شمائل و اخلاق و عادات کی تفصیل اور ازواج و اولاد کا تذکرہ ہے، طبع اول تقطیع کلاں ضخامت [illegible] صفحے قیمت [illegible] طبع دوم تقطیع خورد ضخامت [illegible] صفحے قیمت باختلاف کاغذ [illegible]

سیرۃ النبی حصہ سوم، جس کے مقدمہ میں نفس معجزہ کی حقیقت اور اس کے امکان و وقوع پر فلسفہ قدیمہ، علم کلام، فلسفہ جدیدہ اور قرآن مجید کے نقطۂ نظر سے مبسوط بحث و تبصرہ ہے، اور اسکے بعد خصائص نبوت یعنی مکالمۂ الٰہی، وحی، نزول ملائکہ، عالم رؤیا، معراج اور شرح صدر کا بیان ہے، پھر وہ آیات و معجزات ہیں جنکا ذکر قرآن مجید میں ہے، بعد ازیں وہ ہیں جو مستند روایات سے ثابت ہیں، پھر معجزوں کی غیر معتبر روایات کی تنقید کا باب ہے، اور اس کے بعد وہ بشارات نبوی ہیں جو صحف سابقہ میں موجود ہیں، اور جنکے حوالے قرآن مجید اور حدیث میں مذکور ہیں، اور آخر میں خصائص محمدی کا باب ہے، تقطیع کلاں ضخامت [illegible] صفحے قیمت باختلاف کاغذ [illegible] طبع دوم تقطیع خورد ضخامت [illegible] صفحے قیمت باختلاف کاغذ [illegible]

ایضاً جلد چہارم، منصب نبوت کی تشریح قبل اسلام عرب کے اخلاقی حالات، صبح سعادت کا طلوع، تبلیغ دین کے اصول، رسول اللہ صلعم کا پیغمبرانہ کام، اسلام اور اس کے عقائد پر تفصیلی اور حکیمانہ بحث، ضخامت [illegible] صفحے، قیمت باختلاف کاغذ [illegible] تقطیع کلاں،

ملنے کا پتہ:
منیجر دار المصنفین شہر اعظم گڈھ

جلد ۳۲ | ماہ جمادی الثانی ۱۳۵۲ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۳۳ء | عدد ۴

مضامین

مضمون	مصنف	صفحات
شذرات	سید سلیمان ندوی	۲۴۲-۲۴۴
مسلمانوں کی آیندہ تعلیم،	"	۲۴۵-۲۶۵
نفسیات حکیم ناصر خسرو،	پروفیسر معتقد ولی الرحمن ایم اے، استاذ نفسیات جامعہ عثمانیہ - حیدرآباد دکن،	۲۶۶-۲۸۶
گجراتی زبان اور اسکی تاریخ	مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی مؤلف "تاریخ گجرات"	۲۸۷-۲۹۴
خالد اور لیلی کا مفروضہ افسانۂ عشق،	مولانا شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی رفیق دار المصنفین	۲۹۵-۳۰۳
برطانوی انجمن ترقی سائنس کا سالانہ اجلاس،	"ع ز"	۳۰۴-۳۰۶
عہد حکومت ایوبیہ کی دو علامات قبر،	"ع"	۳۰۷-۳۰۹
نقاد ادیب کے مشتقات،	"سع"	۳۰۹-۳۱۱
اخبار علمیہ	"ع ز"	۳۱۲-۳۱۵
مسجد نبوی میں نماز تہجد،	حکیم الشعراء امجد حیدرآبادی،	۳۱۶
آہِ رسا،	جناب حفیظ ہوشیارپوری بی اے	۳۱۶-۳۱۷
اسرار توحید	مولوی حکیم امداد حسین صاحب توحید ندوی	۳۱۷
مطبوعات جدیدہ	"ض"	۳۱۸-۳۲۰
تاریخ خطیب بغدادی،	نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمن خانصاحب شروانی	۲۱-۵۵

شذرات

دار المصنفین سے امسال تین کتابین چھپکر شائع ہونگی، ایک خیام جسمین خیام کے سوانح اور تصنیفات پر ناقدانہ تبصرہ ہے، اور آخرمین اُس کے چھ فلسفیانہ عربی اور فارسی رسالون اور رباعیات کے ایک مستند نسخہ کا ضمیمہ ہے، ضخامت ۵۰۰ سے کچھ زائد ہوگی، دوسری کتاب سیر الصحابہ کی ساتوین جلد ہوگی، اور اسی پر اس وسیع سلسلہ کا خاتمہ ہوگا، اور تیسری کتاب افکارِ عصریہ ہوگی جسمین موجودہ سائنس کے تمام شعبون کے نظریاتی مسائل سہل اور آسان اور دلچسپ عبارت مین لکھے گئے ہین، یہ کتاب انگریزی سے ترجمہ کی گئی، اور اس خیال سے شائع کیجارہی ہے کہ عربی مدرسون کے نصاب مین داخل ہوسکے، اور عربی خوان طلبہ کو سائنس کے جدید نظریون سے آگاہی ہوسکے،
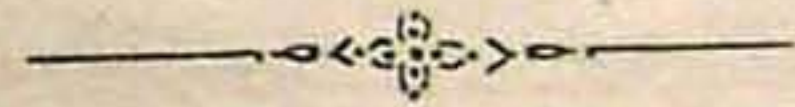
خوشی کی بات ہے کہ حجاز (مکہ معظمہ) مین "مطبعہ سلفیہ" کے نام سے ایک علمی مطبع قائم ہوا ہے، اور اس کے ذریعہ سے مفید عربی کتابون کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا ہے، ازرقی نے جو امام مالک کے ہمعصر ہین، مکہ کی تاریخ لکھی تھی، جو گو یورپ مین چھپ چکی تھی، مگر مدت سے اسکے نسخے مفقود تھے، مطبع مذکور نے اس کے دوبارہ چھاپنے کا اہتمام کیا ہے، حجاز کے مکاتب کے لیے سلم القرأۃ العربیہ کے نام سے چند ریڈرین چھاپی گئی ہین، اور بعض دوسرے رسالے بھی وہان چھاپے گئے ہین،

اس سلسلہ مین سب سے اہم خبر یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی ؒ نے امام مالک کی مؤطا کی جو دو شرحین مسوّیٰ (عربی مین) اور مصفّیٰ (فارسی مین) لکھی تھین، اور جو ہندوستان مین کئی دفعہ چھپ چکی ہین، مگر اس طرح کہ عربی شرح فارسی شرح کے حاشیہ پر، اب عربی شرح مسوّیٰ مستقل طور سے متن مین چھاپی گئی ہے، شروع مین مولٰنا عبد الوہاب دہلوی مقیم مکہ معظمہ کے قلم سے حضرت شاہ صاحب کے حالات وسوانح لکھے گئے ہین اور مصفّیٰ کے شروع مین شارح نے جو مفید مقدمہ فارسی مین لکھا تھا، اس کا عربی ترجمہ شامل کیا گیا ہے، کہین کہین مولٰنا عبید اللہ صاحب سندھی سابق ناظم نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی کے قلم سے مزید حواشی درج ہین، خوبصورت ٹائپ اور مفید حواشی اور ضمیمون کیساتھ اس کتاب کی اشاعت بہترین خدمت ہے، کتاب عہ/ ۱۲ کی قیمت مین شرف الدین کتبی واولادہ کے مکتبہ واقع بھنڈی بازار بمبئی سے ملیگی،

چونکہ اس کتاب کی اشاعت کے ذمہ دار ہندوستان کے علماء ہین، اس لئے ان کی خدمت مین یہ گذارش بیجا نہ ہوگی کہ اگر وہ شاہ صاحب رحمہ اللہ کی دیگر فارسی تصانیف کو عربی جامہ پہناکر شائع کرین تو ہندوستان کی نیکنامی ایک طرف، اس سے زیادہ یہ کہ شاہ صاحب کے علوم سے دنیائے اسلام فیضیاب ہوگی، اور یہ اسلام کی ایک مہتم بالشان خدمت ہوگی، شاہ صاحب کی فارسی شرح مصفّیٰ درحقیقت ایک مجتہدانہ تصنیف ہے، اس کا ترجمہ بیحد مفید ہوگا، شاہ صاحب کی ازالۃ الخفا نصف عربی اور نصف فارسی مین ہے، اگر یہ کل عربی مین ترجمہ ہوکر کئی جلدون مین شائع ہو تو بڑی خیر وبرکت کی چیز ہوگی، شاہ صاحب کی فوز الکبیر فی علم التفسیر کا فارسی متن اکثر چھپتا ہے، اور اب عربی مدرسون مین اکثر زیر درس ہے، مگر اسکا فارسی متن عربی طالبعلمون کیلئے وقت طلب ہے، اس کا ایک عربی متن بھی ہے جو ۱۲۹۵ھ مین آج سے ساٹھ برس پہلے مکہ معظمہ مین، مجد فیروزآبادی کی سفر السعادۃ (عربی) کے حاشیہ پر چھپا تھا، اور آخر مین فتح الخبیر شامل تھی، اب اگر مطبعہ سلفیہ ان دونون رسالون کا یہ عربی متن مستقل طور سے چھاپے تو علوم قرآن کی تفہیم واشاعت کی راہ مین عظیم الشان خدمت ہوگی،
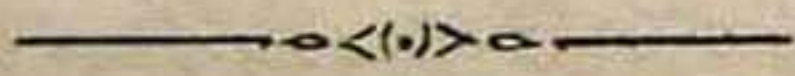
عین اسوقت جب یہ سطرین زیر تحریر تھین مکہ معظمہ مین دار الحدیث کے قیام کی خوشخبری موصول ہوئی، حرم محترم مین حدیث وقرآن پاک کا درس ہمیشہ سے جاری تھا، اور اس فیض کے سرچشمہ سے پوری دنیاے اسلام سیراب ہوتی تھی، جنگ عظیم کے بعد سے حجاز مین فتنون کا جو سیلاب آیا وہ تمام پچھلی روایات کو بہا کرلے گیا، موجودہ حکومت سرمایہ کی کمی کے باوجود ان روایات کو دوبارہ بہتر صورت مین قائم کرنے کے لیے مقدور بھر کوشان رہتی ہے، حرم محترم کے ہر قسم کے مصارف کا بار اوقاف وعطایا وخیرات کی صورت مین کل عالم اسلام اٹھارہا تھا، اب اس عہد مین اسلامی سلطنتین کچھ تو برباد ہوگئین، اکثر پر عیسائیون نے قبضہ کرلیا، اور جو باقی

ہین وہان فاسد قومیت و وطنیت کا وہ زور ہے کہ بین الاسلامی تعلقات کا خاتمہ ہوگیا، اب حرم محترم کے مصارف کی ذمہ داری خاص حجاز کی مفلس حکومت اور یا حاجیون کی جیبون پر ہے، اور ان دونون کا سرمایہ حرمین کے ضروری مصارف کا بار اٹھانے کے ناقابل ہے، یہ صورت حال مسلمانان عالم کے غور کے لائق ہے،

بہرحال یہ تو ایک جملۂ معترضہ تھا، اصل مین یہ کہنا تھا کہ مکہ معظمہ مین حدیث و قرآن پاک کے درس کا انتظام اس حکومت موجودہ کے عہد مین دوبارہ قائم ہو رہا ہے، اور دار الحدیث کے پرانے نام سے ایک نئی درسگاہ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ سے قائم کیگئی ہے، جسمین علوم حدیث و تفسیر کا باقاعدہ درس جاری ہوگا، صحاح ستہ کا دورہ محدثین سلف کے قاعدہ کے مطابق ہوگا، اور عربی زبان و ادب کی تعلیم بھی ضمناً ہوگی، تعلیم کی کوئی فیس نہ ہوگی، اور کتابین وغیرہ طلبہ کو مفت ملینگی، بلکہ بعض مستحق طالب علمون کو وظیفے دیئے جائینگے، طریق تعلیم مین محدثین کے پرانے طریق املا کو زندہ کیا جائیگا، اور طلبہ کو بحث و تحقیق اور تقریر و املا کی مشق کرائی جائیگی، اس کے مہتمم حرم کے امام عبد الظاہر ابو السمح، خزانچی عبد اللہ دہلوی، اور ارکان شیخ محمد نصیف، محمد عبد الرزاق حمزہ، عبید اللہ دہلوی، (سندھی ؟) عبد الوہاب دہلوی، محمد کامل کردی، محمد راضی، محمد نور فطانی محمد سیاد منتخب ہوئے ہین،

ضرورت ہے کہ حساس دل مسلمان ادھر توجہ فرمائین، اور وہ کام جن کے انجام دینے سے آج سلطنتین اغماض کر رہی ہین، ان کو غریب اپنی جھولیون سے انجام دین، ان مفید کامون کے انجام دینے مین حجاز کے مسلک اور سیاست کی الجھنین مسلمانون کو اپنے فرض سے باز نہ رکھین، کہ حرمین کی خدمات کا فرض سیاسیات اور فرقہ داریون سے بلند تر اور اعلیٰ تر ہے، دار الحدیث کے خزانچی عبد اللہ دہلوی صاحب ہین، اور غالباً علی جان صاحب مرحوم کی کوٹھی واقع دہلی کے ذریعہ ہندوستان سے امدادین بھیجی جاسکتی ہین،

تاریخ خطیب پر مولانا شروانی صاحب کا تبصرہ علحدہ رسالہ کی صورت مین چھپ رہا ہے، اس لئے اس کو ضمیمہ کے طور پر آخر مین شائع کیا جا رہا ہے،

مقالات

مسلمانون کی آیندہ تعلیم

(۲)

اخلاق کی تعمیر

تعلیم کا دوسرا حقیقی مقصد اخلاق کی تعمیر ہے، مذہب اور فلسفہ دونون نے اسکو اصولاً مان لیا ہے، کہ انسان بہت سی باتون مین مجبور ہونے کے باوجود اپنے ارادے اور نیت کی آزادی بہرحال رکھتا ہے، اور یہی آزادی اوسکی ذمہ داریون کی بنیاد ہے،

غریب کشمکش جبر و اختیار مین ہے،

لیکن انسانون کے علاوہ دوسری مخلوقات اس کشمکش کے اختیار سے بھی محروم ہین، اور اُن مین سے ہر ایک یا تو اپنی جبلت یا اپنی فطرت کے ہاتھون مجبور محض ہین، اور ان لوازم، خصائص اور اثرات کی بجاآوری پر مضطر ہین جن کے لئے اون کی خلقت ہوئی، آفتاب سے نور ہی ظاہر ہوگا، گلاب سے خوشبو ہی نکلے گی، اور سنکھیا سے موت ہی صادر ہوگی، مگر انسان سے نور اور تاریکی، خوشبو، اور بدبو، حیات اور ممات دونون صادر ہو سکتی ہین، اس کے اخلاق اور خصائل تربیت پذیر ہین، اور اسی لئے وہ تعلیم و تربیت کا محتاج ہے،

دوسرے لفظون مین یہ کہیے کہ کائنات کی ہر مخلوق فطرۃً اسی کام کے کرنے پر مجبور ہے، جس کے لئے اس کے خالق نے اس کو پیدا کیا ہے، لیکن انسان تھوڑا اختیار پاکر فعل اور ترک فعل کے درمیان ترجیح کا حق رکھتا ہے، اس لئے ضرورت اسکی پیدا ہوتی ہے، کہ وہ پہلے ان اغراض کو سمجھے جن کے لئے اس کی خلقت ہوئی ہے، اور پھر اون کی اغراض کے مطابق اپنے

کام کو پوری مستعدی اور دیانت داری سے انجام دے، خلقت کے صحیح اغراض کے سمجھنے کا نام "تعلیم" ہے، اور ان کے مطابق عمل کرنے کا نام "تربیت" ہے، اور ان تربیتی اعمال کا نام "اخلاق" ہے، تعلیم کی بڑی غرض وغایت یہ ہے کہ ان اخلاق کی صحیح تعمیر کی جائے تاکہ وہ فرائض بخوبی ادا ہون جن کیلئے وہ اس دنیا مین آیا یا بھیجا گیا ہے؛

ہماری موجودہ تعلیم جس طرح بے مقصد ہے، اسی طرح یہ تمام تر بے اخلاق بھی ہے، ملک مین مسلمانون کی ایک درسگاہ بھی ایسی نہین ہے، جس نے اخلاق کی تعمیر اور تربیت کی اہمیت کو سمجھا ہو، اور جس نے اپنی زندگی کا مقصد "با اخلاق انسان" کا پیدا کرنا قرار دیا ہو، اسی لئے جامعۂ ملیہ اسلامیہ کی عزت ہماری نگاہون مین ایک خاص حیثیت رکھتی ہے، کہ نئی تعلیم کی درسگاہون مین یہ پہلی درسگاہ ہے، جس نے اس کی اہمیت کو سمجھا اور اس کی تکمیل کے لئے کوشان ہے؛

عموماً اخلاق کے معنی ہماری زبان مین نہایت محدود ہین، اخلاق کے لفظ سے ہمارا مقصود یہی محدود معنی نہین بلکہ ان سے کہین بڑھ کر وسیع ہے، اخلاق سے مقصود انسان کی قوت نفسی کی ایسی تربیت اور مشق ہے، جس سے وہ اپنے شخصی انسانی اور قومی فرائض کے ادا کرنے کی پوری استعداد اور صلاحیت پیدا کرلے، درسگاہ کا اہم فرض یہ ہے کہ اپنے احاطے کے اندر ایسی فضا اور ماحول پیدا کرے، جو دنیا کی فاسد اور مسموم آب وہوا سے محفوظ ہوکر صالح اور صحیح اور طاقت ور آب وہوا کی جگہ ہو، اس کی بہترین مثال یہ ہے کہ اخلاقی حیثیت سے درسگاہ ایک قسم کا سینی ٹوریم یعنی دارالصحت ہے، جہان فاسد جراثیم ہلاک ہوکر بیمار صحیح وتندرست ہوجاتا ہے؛

ہمارے گھرون کی اخلاقی ومزاجی کیفیت جس درجہ خراب اور فاسد ہے، اسی نسبت سے اس بات کی زیادہ ضرورت ہے، کہ ہماری درسگاہون کا ماحول زیادہ صالح، صحیح، اور طاقت بخش ہو تاکہ گھرون کی مسموم فضا سے علحدہ ہوکر رفتہ رفتہ ان افراد کی تخلیق ہو، جو صحیح شخصی، انسانی اور قومی اخلاق وخصائل کے حامل ہون اور اس طرح ایک دن وہ آئے، کہ پوری قوم کی قوم ان اخلاق وفضائل سے متصف اور مزین ہوجائے،

ا۔ **سادگی وصفائی**۔ ہماری درسگاہون کا فرض ہے، کہ وہ اپنے بچون کو سادہ لیکن صاف ستھرا رہنے کی اہمیت ذہن نشین کرین، صاف ستھرا رہنے کے معنی بیش قیمت کپڑے اعلیٰ درجے کے مکان، اور قیمتی فرنیچر اور سامان

کے نہین ہین، افسوس ہے، کہ اکثر مسلمانون بچون نے اس کے یہی معنی سمجھے ہین، اس کے دو برے نتیجے کھلے طور سے ہمارے بچون مین پیدا ہین، ایک یہ کہ وہ اپنی اندرونی صفائی کے بدلے ظاہری ٹیپ ٹاپ پر زیادہ زور دیتے ہین، اور اس بنا پر ان کی تعلیمی زندگی نہایت گران ہے، اور وہ اپنے والدین کے لئے سراسر کوفت بنے ہوئے ہین، دوسرے خود طالب العلم بھی اپنے حوصلے کے مطابق اپنی آمدنی نہ پانے سے ملول وغمگین رہتے ہین جس کا اثر ان کی طبیعت کی تیزی اور ذکاوت پر بہت برا پڑتا ہے، اور ان کا جو وقت اپنے تعلیمی مسائل اور مباحث کی یاد اور حل مین صرف ہوتا وہ اُن کے بناؤ سنگار مین، اور جو نہین ہے، اس کے حصول کی فکر اور ناکامی کے غم مین بسر ہوتا ہے؛

ہمارے طالب علمون کی زندگی سادہ لیکن صاف ستھری ہونی چاہئے، ان کو شروع ہی سے یہ بتانا چاہئے، کہ تمھاری عزت تمھارے بیش قیمت کپڑون اور اعلیٰ سامان سے نہین، بلکہ تمھارے بیش قیمت علم اور اعلیٰ اخلاق سے ہے، طالب علمون کے اندر بڑائی اور مسابقت کا معیار ظاہری نمایش اور آرایش کا سامان نہ ہو بلکہ اندرونی لیاقت اور قابلیت کا جوہر ہو، مسلمان طالب علمون کو جو مسرف اور نمایش پسند قوم کے افراد ہین خصوصیت کے ساتھ یہ بات جتانی چاہئے، کہ اب وہ وقت نہین کہ ہم اپنے اسلاف کے بقیۂ متمولانہ اثرات کی پیروی مین وہ گران نمایشی زندگی اختیار کرین، جو ہم کو اپنے والدین سے ورثہ مین مل رہی ہے، کیونکہ وہ دولت ختم ہوچکی، اور وہ تمول اب سراب ہے، اس لئے اس کے نمایشی فخر وغرور کے اسباب کو بھی اب ختم ہوجانا چاہئے، ورنہ یہ تعلیم ہمارے افلاس مین روز بروز اضافہ کرتی جائے گی، اور قوم کی حالت بد سے بدتر ہوتی جائیگی، اسکی مثالین آج بہت سے خاندانون مین ملین گی، کہ نئی تعلیم کی اس غلط تربیت نے ان خاندانون کی مالی حالت کو کتنا نقصان پہنچایا ہے؛

دنیا کے دوسرے ملکون سے بہت بڑھ کر ہندوستان کے مسلمانون کو اس کی طرف توجہ کی ضرورت ہے، کہ وہ ایسی قوم کے دوش بدوش چلنے پر مجبور ہین، جو روزمرہ کی زندگی مین حد درجہ کفایت شعار اور سادہ واقع ہوئی ہے، اس لئے اس کے ذاتی اور قومی مصارف ہمارے مقابلے مین بہت کم ہین، بنا برین اس کے پاس ہمارے مقابلے مین دولت کی فراوانی ہے، اور نتیجہ یہ ہے کہ جس خرچ مین ہم اپنے ایک بچے کو تعلیم دلا سکتے ہین، ہمسایہ قوم اپنے چند

بچون کو تعلیم دلاتی ہے، پھر دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ ہم اپنے فضول کامون کے لئے اپنے بزرگون کی متروکہ جائدادون کو قرض
مین رہن رکھکر بیچنے پر اور اس کے خریدنے پر مجبور ہین،

آج کل عام طور سے یہ دیکھا جارہا ہی کہ ہماری درسگاہین اپنی عمارت، اپنے سامان اور اپنے انتظامات مین
بیش از بیش نمایش پسندی مین مبتلا ہین، ہماری گذشتہ تعلیم کے عہد مین ہماری مسجدین ہمارے تعلیمی کمرے اور ہال اور مسجد
کا فرش ہماری میزین اور بنچین اور کرسیان تھین، صرف انھی دو مدون کی کفایت کا اندازہ موجودہ گران طریقہ تعلیم سے بآسانی
کیا جاسکتا ہی اس کا ایک نتیجہ یہ ہے، کہ ہماری بہتر سے بہتر درسگاہ بہتر سے بہتر مقصدون کے ساتھ قائم ہوتی ہے، لیکن اس
کے بانیون کی ساری محنت زمین اینٹ، اور چونے پر صرف ہو کر رہ جاتی ہے، اور ان مبادی سے نکل کر غایت تک
پہنچنا محال ہوجاتا ہے

ہمارے دار الاقامون مین سب سے بہتر دار الاقامہ وہ سمجھا جاتا ہی جو اپنے طالب علمون کو سب سے بہتر اور قیمتی کھانا
بہم پہنچائے، اور ان کے رہنے کیلئے بہتر سے بہتر سامان اور کمرے مہیا کرے، حالانکہ یہ تمامتر ہمارے پچھلے تماشائے دولت کا
فریب نظر ہے، اور یہی وہ عیش و تنعم اور ناز و نخوت کی زندگی ہی جو ہماری تباہی کی تمامتر ذمہ دار ہے،

ان سب کے بجائے صرف ایک چیز کی ضرورت ہی اور وہ سادگی اور صفائی ہی ہمارے نوجوانون نے صفائی
اچھے کپڑون فیشن ایبل بالون، خوشبو عطرون اور تیلون کا نام رکھا ہی، حالانکہ وہ حقیقت مین گھر کی صفائی، کمرون کی صفائی
کپڑون کی صفائی، اور بدن کی صفائی کی اصلی دولت سے محروم ہین، طالب علمون کو اس بات کی عادت سکھانی چاہئے کہ
وہ کیونکر اپنا کمرہ، اپنا سامان، اپنے کپڑے اور بدن کو صاف رکھین جس سے وہ جسمانی و ذہنی صحت اور صفائی اور ستھرا پن
جو نصف دین اور اصلی تمدن ہی حاصل کرین،

۲- **جفاکشی**، اس کے بعد وہ سب سے بڑا اخلاقی جوہر جس کے حصول پر ہندوستان مین مسلمانون کی آیندہ زندگی
موقوف ہی، وہ جفاکشی ہی، ہم نے اسلامی اصطلاحات مین جہاد کا نام سن کر اپنی روشن دماغی کے ثبوت مین کتنی دفعہ
اس سے تبری ظاہر کرنے کی کوشش کی ہی، لیکن اے عزیزان محترم! اب وقت ہی کہ ہم جہاد کی حقیقت کو عملاً سمجھین، اور

برت کر دکھائین، جہاد جہد سے مشتق ہے، جس کے معنی محنت اور تکلیف کے ہین، حق کی راہ مین ہم جو تکلیف اٹھائین، وہ ہمارا جہاد
ہے، دنیا کی زندگی سکون پر نہین دائمی حرکت پر قائم ہے، غلط فہمی سے ہم یہ سمجھے ہین، کہ ہم جس قدر سکون پائین گے، اسی قدر
آرام اوٹھائین گے، پچھلے عہد کے ایک عجمی شاعر نے کہا تھا :-

بقدر ہر سکون راحت بود بنگر تفاوت را ‖ دویدن، رفتن، استادن، نشستن، خفتن و مردن

لیکن حقیقت مین یہ زوال پذیر قوم کا فلسفہ ہے، راحت کے اس عجمی تخیل کے بالمقابل فصیح عرب کہتا ہے :-
فی الحرکۃ برکۃ، جس طرح بھوک کے بعد غذا کا اصلی لطف ملتا ہی اور جو آنکھین بیدار رہی ہین، وہی خواب کی لذت سے
آشنا ہوتی ہین، اسی طرح محنت و مشقت کے بغیر آرام و راحت کا وجود ہی نہین ہوسکتا جبتک ہماری پیشانی سے محنت
کا پسینہ ہمارے پاؤن پر نہ ٹپکے گا، جو روٹی ہمارے ہاتھ آئیگی، وہ ہمارے احساس کے ذائقہ کو کبھی تسکین نہین دے گی،
سست امیرون کی پر لطف غذائین ہی وہ جراثیم ہین، جو اُن کی بیماریون کو پیدا کرتے ہین، ایک محنتی مزدور
چونکہ پوری بھوک اور معدے کی پوری خواہش پر کھاتا ہی، اس لئے ہر وہ کھانا جو اس کو وقت پر مل جاتا ہی، وہ اس کی
قوت کا سرمایہ اور اوسکی صحت کا خزانہ ہوتا ہے،

مسلمانون کو بچپن سے محنت کا عادی ہونا چاہئے، ان کی طالب علمانہ زندگی مین یہ عادت ایسی پختہ ہوجانی چاہئے
کہ وہ تمام عمر کے لئے اس دولت کو اپنے قبضہ مین کرلین، تعلیم، امتحان کی تیاری و ورزش، سفر اور تعلیم کی فراغت کے بعد
جس شاہراہ زندگی کو بھی اختیار کیا جائے، وہ نوکری ہو، تجارت ہو، صنعت ہو، ہر ایک مین یہی جوہر ان کا بہترین رفیق
زندگی ہوسکتا ہی، پچھلی دولت مندی کا خمار اب تک مسلمانون پر چھایا ہوا ہے، ہماری درسگاہون کا بہترین فرض یہی ہی
کہ وہ مسلمان طالب علمون کے یہ ذہن نشین کردین، کہ اب تمھاری زندگی صرف تمھاری محنت جفاکشی اور جانفشانی پر موقوف
ہے، یہ دنیا ایک تلاطم خیز سمندر ہے، جس سے نکل کر ساحل تک سلامتی پہنچنا صرف تمھارے ہی ہاتھ پاؤن چلانے
پر موقوف ہے،

کون نہین جانتا کہ اس عرصۂ کائنات مین زندگیون کا ایک معرکہ برپا ہی اور ہر ایک مخلوق اپنے جینے اور بڑھنے

کیلئے ہاتھ پاؤن مار رہی ہے، قومین اس دوڑ مین مصروف ہین، افراد اس مسابقت مین سرگرم ہین، وہی زندہ اور جیتا رہیگا، جو اپنی محنت اور کوشش سے اس بازی کو جیتے گا، اور جس نے ہاتھ پاؤن ڈال دئے، اور نرم بستر کا جویا ہوا، دنیا اس کو مردہ سمجھ کر ایک گوشے مین ڈال دے گی، اور افراد، اور قومین اس کو روندتی ہوئی آگے بڑھ جائین گی، زندگی کا فلسفہ صرف جد و جہد، محنت اور سخت کوشی ہے، بھوک کی برداشت شکم سیری کا سامان ہے، اور موت کی تلاش زندگی کا سرچشمہ ہے، فاقتل ثم احیی ثم اقتل فاحیی ثم اقتل فاحیی،

یہ جو کچھ کہا گیا شاعری نہین روزمرہ کی حقیقت ہے، طالب علمون کو اپنے روزانہ کے ورزشی کھیلون مین کیا یہ راز ہر شام کو علانیہ معلوم نہین ہوتا، کہ وہی لڑکا جیتتا اور وہی فریق کامیاب ہوتا ہے، جو جس قدر اس دن زیادہ محنتی اور زیادہ جفاکش تھا، یہ پوری دنیا ایک بڑے ورزشی کھیل سے بڑھ کر نہین، اس میدان مین بھی اسی کی جیت ہے، جو زیادہ محنتی، اور زیادہ جفاکش ہے، کامیابی کی راحت انھین کے لئے ہے، جو اپنے کاروبار مین محنت اور جد و جہد کی تکلیف اوٹھاتے ہین،

تمام قومون مین سب سے زیادہ کامیاب، سب سے زیادہ خوش قسمت، اور سب سے زیادہ قابلِ رشک وہ قوم سمجھی جاتی ہے، جس کے ہاتھون مین دوسری قومون کی سلطنت کی باگ ہو، لیکن کیا تاریخ کے اوراق نے اس حقیقت کو اب پر منکشف نہین کیا کہ یہ کامیابی، یہ خوش قسمتی، اور یہ قابلِ رشک ہونے کی صلاحیت انکو کتنی محنت، کتنی جفاکشی اور کتنی پے در پے جسمانی تکلیفون اور اذیتون کی برداشت کے بعد حاصل ہوئی ہے، محمود نے سترہ حملون مین پنجاب پر قبضہ کیا، شہاب الدین غوری نے ایک شکست کے بعد پورے سال بھر اپنے شکست کے وقت کے پہنے ہوئے کپڑون کو تبدیل نہین کیا، بابر نے کامل پندرہ برس پہاڑون سے سر ٹکرایا، مین نے ان فقرون کو ہمیشہ کہا ہے، اور پھر کہتا ہون کہ بدر و حنین کی سختیون کو جھیلے بغیر قیصر و کسریٰ کے تخت سلطنت کی خواہش حماقت ہے، جس کو لال قلعے مین شاہجہان کے تخت طاؤس پر جلوس کی ہوس ہو، اس کو پہلے بابر کی طرح خشک پہاڑیون مین سر مارنا چاہئے، کوہ کنی کے بغیر "جوئ شیر" کا خواب دیکھنا دیوانگی ہے،

آج یورپ کی قومین دنیا کے طول و عرض مین سلطنت کا تخت بچھائے کوس لمن الملک بجا رہی ہین، لیکن اپنے سپاہیون کے کتنے خون، اپنی دولت کے کتنے صرف اور اپنی محنت و جانفشانی کے کتنے مظاہرے کے بعد یہ سعادت ان کو نصیب ہوئی ہے، آج تجارتون، صنعتون، اور کاریگریون کی زندگی ہے، یہ زندگی کتنی زندگیون کی قربانیون کے بعد حاصل ہوئی ہے، کروڑون مزدور کان کنی مین لگے ہین، لاکھون آلات کے بنانے اور چلانے مین مصروف ہین، لاکھون دن رات دوڑ دھوپ اور محنت اور تگاپو مین مصروف ہین، تب جا کر ان کی قوم کے سر پر سلطنت کا تاج ہے، اور ان کے خزانون مین معدنیات، تجارت اور صنعت و حرفت کی دولت ہے،

بابر سے کر عالمگیر اول تک اور پھر بہادر شاہ اول سے لیکر بہادر شاہ ثانی آخری مغل بادشاہ دہلی تک کی زندگیون پر غور و فکر کی نظر ڈالئے، کیا تین سو برس کی یہ تاریخ یہ حقیقت نہین بتاتی کہ جنھون نے تکلیف کی زحمت اوٹھائی، اونھون نے تخت سلطنت پر آرام کیا، اور جنھون نے آرام کی خواہش کی اونھون نے عمر بھر زحمتون اور تکلیفون مین بسر کی،

الغرض مسلمان طالب علمون کو اب یہ نکتہ کبھی فراموش نہ کرنا چاہئے کہ محنت اور جفاکشی ہی کی عادت وہ چیز ہے جو ان کی تعلیمی اور علمی دونون زندگیون مین ان کو کامیاب بنا سکتی ہے، جہان قومی سلطنتین اور قومی تعلیم گاہین ہین، وہان کے نظام تعلیم پر ذرا غور کرنے سے یہ نکتہ حل ہو سکتا ہے، کہ ان کے نصاب تعلیم مین جو اہمیت کتابون کو حاصل ہے، اس سے کم اہمیت ان کے جسمانی کھیلون اور مختلف ورزشون کو حاصل نہین ہے، میدانی کھیلون کے علاوہ پہاڑون پر چڑھنا، دریاؤن مین کشتی چلانا، دھوپ مین دوڑنا، ہواؤن مین اڑنا، وہ کون سی جانفشانی ہے، جس کی مشق یہ قومین اپنے حکمران بننے والے افراد کو نہین کراتین، انگلستان کی بہترین درسگاہون کے دیکھنے کا موقع ملا ہے، اور یہ نظر آیا ہے کہ ان ورزشی کھیلون کی اہمیت وہان تعلیم کے برابر ہی برابر ہے، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ وہان کی عام تعلیم گاہین بھی تقریباً نیم فوجی ہین، اسی سے ہندوستان کی تعلیم کا یہ نقص کہ وہ تمام تر نظری رہتی ہے، عملی نہین وہان دور ہو جاتا ہے، مسلمانون کو اگر آیندہ ہندوستان کی سلطنت مین حصہ لینا ہے، تو ان کو یہ نکتہ فراموش نہ ہونا چاہئے کہ آیندہ، ان کو صرف نظری نہین بلکہ عملی قوم

بنایا جاے، اور یہ اخلاقی تربیت کے بغیر ممکن نہین،

۲- **خود اعتمادی**۔ مسلمانون کی اخلاقی تعمیر کا نہایت اہم عنصر اپنے افراد کے اندر خود اعتمادی کا جوہر پیدا کرنا ہے، جس کے بغیر نہ کوئی شخص کامیاب ہو سکتا ہے، اور نہ کوئی قوم خود اعتمادی سے مقصود اپنے اندر فیصلے کی قوت سے مستحکم عزم پیدا کرنا، اور پھر اس عزم کے مطابق خدا کے بعد خود اپنی ذات پر بھروسہ کرکے کام کو شروع کر دینا اور اس کو کامیابی تک پہنچانا ہے، قرآن پاک نے اس نکتے کو صرف دو لفظون مین ادا کیا ہے، اذا عزمت فتوکل علی اللہ، (جب عزم کرے تو پھر خدا پر بھروسہ کر) اس سے پہلے مشورے کا حکم ہے، مشورے کے بعد جو فیصلہ ہو جائے، اس پر مستحکم عزم کی تاکید ہے، پھر اس عزم کے مطابق اس کو کر گذرنا، اور اس کی کامیابی کے لئے خدا کی توحید اور نصرت پر بھروسہ رکھنا،

مسلمانون کا یہی جوہر تھا، جس سے متصف ہو کر ایک غریب مسافر ہمت کی کمر باندھکر تن تنہا کھڑا ہوتا تھا، اور بحر و بر، دشت و جبل کو طے کرکے مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق کو چلا جاتا تھا، ایک یتیم طالب العلم گھر سے یکہ و تنہا نکلتا تھا، اور سالہا سال تک ملک ملک کی خاک چھان کر ایک ایک شہر مین علم و فن کے ماہرین وقت کی صحبتون اور درسگاہون سے فیض پاکر اپنے وطن کو لوٹتا تھا، ذرہ ہو کر نمودار ہوتا اور پھر آفتاب بن کر چمکتا تھا، ایک باہمت سوداگر اکیلا اپنا ساز و سامان لیکر کبھی سندباد بحری اور کبھی سندباد بری بن کر نکلتا، اور دولت کے جہاز اور کاروان سے لدا بغداد، عراق، شام، اسکندریہ اور اسپین کی بندرگاہون مین اترتا، ایک معمولی سپاہی اپنی تلوار لیکر نکلتا اور روے زمین کی فضا کو چیر کر کہین نہ کہین اپنے لئے ایک حکومت و ریاست کھڑی کر لیتا،

مسلمانون کا یہ جوہر اٹھارہوین صدی کے ہندوستان مین ان سے کھو گیا، سن کر حیرت ہوگی، کہ وہ بابر جس نے پندرہ برس کے سن مین تخت پر بیٹھ کر اور پھر بارہ ہزار کی فوج سے ہندوستان کو فتح کر ڈالا، اس کی اولاد جب لال قلعے سے بھیڑ کی طرح نکلی ہے، تو اس کو یہ بھی معلوم نہ تھا، کہ کس طرح اپنے ہاتھون سے اپنی روزی کا سامان کیا جا سکتا ہے؟

والدین اپنے بچون کے ساتھ اپنی بہترین محبت یہ سمجھتے ہین کہ اس کو تنہا کوئی کام کرنے نہ دین، تنہا راستے مین نہ چلین، راتون کو اکیلے گھر سے باہر نہ نکلین، کمرون مین رات کو تنہا سوتے نہ پائین، ایک بڑے عالم باپ کو مین نے دیکھا کہ اپنے جوان بیٹے کو کالج کی تعلیم کے لئے لکھنؤ اس لئے نہین جانے دیتے تھے کہ یہ کالج مین پڑھنے جانیوالا بچہ کہین آتے جاتے راستے مین موٹرون سے کچل نہ جائے، امیر مسلمانون کے گھرون مین یہ بات دولتمندی کی نشانی سمجھی جاتی ہے، کہ انائین اور کھلائیان جوان جوان لڑکون سے بھی علحدہ نہ ہونے پائین، ہم نے اٹھارہ انیس سال کے ایسے نواب زادون کے واقعے سُنے ہین جن کو اس وقت تک نیند نہین آتی تھی، جب تک ان کی انا بی بی ان کو پلنگ پر سُلاتی نہ ہون، آپنے ایسے نواب زادون اور امیرزادون کو دیکھا ہوگا، جو کسی درسگاہ کے دارالاقامے مین جب داخل ہوتے ہین تو اُن کے ساتھ اُن کو ناگہانی اتفاقات سے بچانیکے لئے اسٹاف کا اسٹاف ہوتا ہے،

غریب مسلمانون تک مین یہ بات عموماً دیکھی جاتی ہے، کہ وہ اپنے بچون کو خود تنہا اپنے کام کی ذمہ داری اوٹھانے کی زحمت دینے پر بہت کم رضامند ہوتے ہین، یہی سبب ہے کہ ہمارے بچے عزم اور ارادہ کے کچے، ہمت کے بودے اور استقلال کے کمزور ہوتے ہین، اور اس لئے تعلیم کے زمانہ کے اندر اندر بھی وہ اتالیق اور ٹیوٹر کے سہارے کے بغیر نہین چل سکتے اور تعلیم کے بعد بھی اپنے بل بوتے پر کھڑے نہین ہو سکتے، الغرض وہ بچپن مین انا اور کھلائی کے، تعلیم مین اتالیق اور ٹیوٹر کے، اور ملازمت مین سعی و سفارش کے محتاج ہوتے ہین، زندگی کے ہر مرحلے مین ہر قدم پر ان کو اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، کہ وہ کسی کا ہاتھ پکڑ کر چلین، ایسی قوم کے افراد کیا حکومت کی بلند چوٹی پر چڑھنے کی ہمت کر سکتے ہین، کیا اسلامی ہندوستان کی تاریخ ہمارے سامنے نہین، اُن کی ترقی کا عہد وہ تھا، جب بادشاہ کے زیر سایہ امرا کھڑے ہو کر ملک کا انتظام کرتے تھے، اور ان کی تنزلی کا زمانہ جب آیا، تو یہ شہزادے اپنے اپنے امیرون کے سہارے کھڑے ہو کر تخت پر بیٹھنے لگے، نتیجہ یہ ہوا کہ ان امیرون نے ان کو اٹھا کر تخت سے دور پھینک دیا، اور بالآخر تخت اور تخت نشین دونون کا خاتمہ ہو گیا۔

یورپ کی ترقی یافتہ قومون کے افراد مین آج یہ جوہر ان کی انھین درسگاہون مین پیدا ہوتا ہے، اور اسی کا

یہ نتیجہ ہوتا ہی کہ جس پرزے کو جہان لگا دیجئے وہین وہ کام دینے لگتا ہے، ایک فرنچ مصنف نے اینگلو سیکسن قوم کی ترقی کے راز پر فرنچ مین ایک کتاب لکھی ہی جس کا ترجمہ عربی مین "سر تقدم الانکلیز السکسونیین"، کے نام سے ہوا ہی، اس مین زیادہ زور اسی بات پر دیا گیا ہی، کہ انگریز قوم کی ترقی کا بڑا راز یہی خود اعتمادی کا جوہر ہے، ایک اور فرنچ نے، "بیسوین صدی کا امیل" کے نام سے خطوط کی صورت مین ایک کتاب لکھی ہی، اسمین بھی بڑی خوبی سے یہ دکھایا گیا ہے، کہ ماں کی گود سے لیکر کالج کی اعلیٰ تعلیم تک لڑکون مین جس وصف کے پیدا کرنے کی کوشش کیجائے، وہ خود اعتمادی ہے، ایک انگریز سپہ سالار کا یہ فقرہ یاد رکھنے کے قابل ہے، کہ ہم نے انگلستان کے فٹ بال کے میدانون مین خود اعتمادی اور ثبات واستقلال کا جو جوہر اپنے اندر پیدا کیا تھا، وہی نپولین کے مقابلے مین ہمارے کام آیا،

مسلمان ہندوستان مین جس تعدادی اقلیت مین ہین، اس کی تلافی صرف ان کی اخلاقی قوت اور عملی طاقت سے ہو سکتی ہے، اس لئے ہماری درس گاہون کو اس ملک کے مسلمانون کو آیندہ زندگی بخشنے کے لئے ضرورت ہے، کہ وہ اپنے طالب علمون مین یہ قوت اور یہ طاقت پیدا کرین، تاکہ وہ اپنے استحقاق سے اس ملک مین زندہ رہ سکین، اور اس مملکت کے نظام حکومت کے قیام اور استواری مین کسی طرح ان سے حکومت وقت کو بے نیازی نہ ہو سکے،

اساتذہ ہماری درسگاہون مین جس چیز کی طرف سب سے کم توجہ کی جاتی ہے، وہ استادون کے انتخاب کا مسئلہ ہے، قومی درسگاہون مین اس انتخاب کا معیار یہ ہے، جو کم تنخواہ لے اور سرکاری درس گاہون مین یہ کہ جو سب سے اونچی کاغذی سند رکھے، اور یورپین کوالفکیشن "تو وہ منتر ہے، جس سے ہر تعلیمی بھوت بآسانی بھاگ جاتا ہے، ہندوستان کا کیسا ہی تجربہ کار سے تجربہ کار ماہر سے ماہر اور محقق سے محقق ہو مگر اگر اس کے پاس یورپ کی کسی درس گاہ کے دو لفظ نہ ہون، تو اس کے مقابلے مین بیرونی تعلیم کا ہر نا تجربہ کار اور نو آموز ترجیح پائے گا، ہماری بڑی سے بڑی یونیورسٹی، آج انگریز فرنچ اور جرمن استادون کے ناموں کے جادو مین گرفتار ہے، اور اس کو منہ مانگی تنخواہ دینے مین حاتمانہ فیاضی کیلئے تیار ہی،

اس کی وجہ یہ ہے کہ اب تک ہم نے اپنی تعلیم کا کوئی نصب العین مقرر نہین کیا ہی، بلکہ خود قوم نے بھی اپنی زندگی

کا کوئی مقصد قرار نہین دیا ہی، اس لئے استادون کے انتخاب کا معیار صرف یہ رہ گیا ہے، کہ اعلیٰ سند کا کاغذ اور سات سمندر پار کے حکمران اقوام کی گوری شخصیت، انتہا یہ ہی، کہ عربی فارسی اور تصوف کے پڑھانے کیلئے بھی ہم اپنی قوم کے کسی فرد پر اعتبار کرنے کے لئے اس وقت تک تیار نہین، جبتک پروفیسر مارگولیتھ، پروفیسر براؤن، ڈاکٹر آرنلڈ اور ڈاکٹر راس کے دستخطون کا کاغذ اس کے پاس نہین،

ہم نے اس سے پہلے مسلمانون کے تعلیمی مقاصد کا جو خاکہ آپ کے سامنے پیش کیا ہی، اگر وہ ذہن نشین ہے تو آپ اسکا فیصلہ کرنے مین ایک ذرہ بھی تامل نہ فرمائین گے، کہ استادون کے انتخاب کا معیار کاغذی سند سے بڑھ کر ان کی شخصیت مین ان مقاصد کا وجود ہے، جن پر اس تعلیم گاہ کی بنیاد قائم ہے، اگر آپ کسی ایسی دو درس گاہون کا باہم موازنہ کرین جنمین سے ایک ایسے اوستادون کا اسٹاف رکھتی ہے، جو اعلیٰ کاغذی سندون کے تو مالک ہین، مگر ان مقاصد سے سر تا سر خالی ہین، اور دوسری گو اعلیٰ کاغذی سندون کے لحاظ سے کم درجہ ہے، مگر اس کے اوستاد اپنے اندر وہ جوہر رکھتے ہین، جو اس کے تعلیمی مقاصد کا حقیقی عنصر ہین تو یقیناً عملی حیثیت سے دوسری پہلی سے کہین زیادہ مفید ہو گی، کیا ہماری نئی اسلامی درس گاہین استادون کے انتخاب کے وقت یہ معیار اپنے سامنے رکھتی ہین کہ ان مین سے کون زیادہ مسلمان، کون زیادہ راستباز، کون زیادہ مخلص کون زیادہ محنتی، کون زیادہ جفاکش اور کون حقیقت مین مسلمانون کے تعلیمی نصب العین کے پورا مطابق ہی، ؟ کیا کسی غیر قوم کے استاد سے یہ توقع رکھی جا سکتی ہے کہ وہ دوسری قوم کے حقیقی تعلیمی نصب العین کے مطابق اپنے کو بنائے گا، اور خود اس کا نمونہ بن کر طلبہ کے سامنے آئے گا، ؟ ایسے استادون کے زیر تعلیم وتربیت جنمین سے ہر ایک کا قبلۂ مقصود صرف دوسری قوم کی ظاہری نقالی ہو، اور جن کا حوصلہ صرف سوٹ، کوٹھی، فرنیچر اور موٹر تک محدود ہو ایسے لڑکون کے پیدا ہونے کا خواب دیکھنا جو مسلمان ہون، قوم پرور ہون، سادہ ہون، جفاکش ہون، اور مسابقت اقوام کی دوڑ مین اپنی برتری دکھا سکین، کہان تک حق بجانب ہے، یہ ویسا ہی ہی جیسے کوئی احمق کاشتکار اپنے کھیتون مین جو بو کر گیہون کاٹنے کی امید رکھے اور اس سے بے خبر ہو، کہ ع

گندم از گندم بروید جو زجو

اسلامی اور وطنی نصب العین کا جو خاکہ مسلمانون کے سامنے پیش کیا جائے، اور جس کو مسلمان اپنا قومی مقصد اور زندگی کا مطلوب بنالین، وہی درحقیقت استادون کے انتخاب کا معیار ہو،

بوریا باف گرچہ بافندہ است ۔ نہ برندش بہ بارگاہ حریر،

ہماری پچاس برس کی تعلیمی ناکامی کا سب سے بڑا سبب یہ ہے، کہ ہم نے پہلے تو اپنا کوئی تعلیمی مقصد متعین نہین کیا، اور نہ اس مقصد کے مطابق اپنے استادون کا انتخاب کیا، مثال دیتا ہون، ہم نے عربی پڑھانے کیلئے یورپ کے ایک بہترین مستشرق کو بلوایا، وہ عربی فیلالوجی اور یورپین عربی مطبوعات و مخطوطات کی پوری فہرست ہمارے بچون کو رٹا سکتا ہے، مگر قرآن پاک کا وہ شغف اور تاریخ اسلام کا وہ ذوق قومی ہم کو کیونکر عطا کرسکتا ہے، جو نہ صرف یہ کہ اس کو نصیب نہین، بلکہ وہ اس سے منحرف ہے،

ہماری اکثر درسگاہون کے اُستاد صرف پیشہ ور معلم ہین جنھون نے اس پیشے کو صرف اس لئے اختیار کیا ہے کہ یہ بھی معیشت کا ایک ذریعہ ہے، ورنہ درحقیقت وہ ہمارے قومی مقاصد تعلیمی نصب العین اور اسلامی ذوق سے سرامر محروم ہین، اور پھر ان سے ہم یہ احمقانہ توقع رکھتے ہین، کہ وہ آیندہ ہمارے بچون کو ہمارے قومی مقاصد تعلیمی نصب العین اور اسلامی ذوق سے بہرہ ور کردین گے،

جامعہ ملیہ کو مین مبارکباد دیتا ہون، کہ اوس نے اپنے استادون کے انتخاب مین اس نکتے کو پیش نظر رکھا ہے، اوس نے انتخاب کا معیار اعلی کاغذی سند کو نہین، بلکہ اپنے تعلیمی مقاصد کو رکھا ہے، فرض کیجئے کہ اگر اس درسگاہ مین ایک نہایت اعلی قسم کے ایسے اُستاد کو لاکر رکھ دیا جائے، جو گو یورپ مین استاد کا بڑا ووٹ اپنے قبضے مین رکھتا ہو، مگر اوس کے تمام تر حالات و خیالات اور نشر و تعلیم ان مقاصد کے خلاف ہون جن پر اس درسگاہ کی بنیاد ہے، تو کیا ڈاکٹر ذاکر حسین خان صاحب اس کو جامعہ بدر کرنے مین ایک لمحے کیلئے بھی اس کے فضل و کمال کے ان کاغذی دستاویزات کا پاس کرین گے؟ پھر کیا ہے کہ ہماری درسگاہون کے معلم اپنے وجود، اپنی تعلیم اور اپنے فیض صحبت سے علانیہ ہمارے قومی مقاصد کی تضحیک ہمارے مذہبی خیالات کی توہین، اور ہمارے وطنی اغراض کی تلبیس کرتے ہین، اور پھر صرف اس لئے گوارا کیا

جاتا ہو، کہ ان کے پاس کاغذی دستاویزات کا اچھا ذخیرہ موجود ہے،

جوہر طینت آدم ز خمیر دگر است ۔ تو توقع ز گل کوزہ گران می داری،

ارکان جامعہ نے بھی ایک بات کا برملا اظہار کر دیا ہے کہ ہم نے اب تک جامعہ ملیہ کو اسلامیت اور وطنیت جدید اور قدیم دونون کی لطیف و معتدل آمیزش کا نتیجہ سمجھا ہے اس لئے اساتذہ کے انتخاب مین صرف "اخلاص و ایثار" کی سند اتنی زبردست نہین کہ اس کے لئے اسلامیت کی نفی کردین، یا وطنیت سے انحراف پسند کرلین، اگر وطنی اغراض کے مخالف کو اس جامعہ مین معلم نہین باقی رہنا چاہیے، تو اسلامی اغراض کے مخالف کیلئے رواداری کیون برتی جائے، اگر کوئی درسگاہ اس قسم کی رواداری برتتی ہے، تو درحقیقت وہ اپنے مقاصد کی جڑ پر آپ کلہاڑی مارتی ہے، بہرحال اس بات کے اظہار مین ہم کو کوئی پس و پیش نہین کہ ہماری یہ نوعمر درسگاہ اس اصول کو بہت کچھ اپنے سامنے رکھتی ہے، اور دعا ہے کہ اس کے کارکنون کو اپنے معیار کی سختی پر مزید استقامت نصیب ہو،

علوم ہم کو اپنی درسگاہون مین کن علوم کو پڑھنا اور پڑھانا چاہئے؟ یہ وہ سوال ہے، جس پر اب تک مسلمانون نے کیا بلکہ ہندوستانیون نے بھی غور نہین کیا، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ ہم ڈیڑھ سو برس سے جس تعلیمی شکنجے مین گرفتار ہین، اس سے مجبور رہ کر ہم اس پر غور کر بھی نہین سکتے، ہندوستان مین نئی تعلیم جن اسباب سے پھیلائی گئی ہے، ان کو بیان کرنے مین برطانی مُدبرین نے کبھی پس و پیش نہین کیا ہے،

۱- سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ہندوستانیون کے دلون سے اپنی تہذیب و تمدن اور دین و مذہب کی عصبیت مٹ جائے، اس کے لئے اس کی ضرورت تھی، کہ نصاب تعلیم کو ہر مذہبی اسپرٹ سے خالی رکھا جائے، یہان تک کہ اس مین خدا کا نام بھی نہ آنے پائے،

۲- بنگال کی ابتدائی مثالون سے انگریزون کو یہ دھوکا ہوا، کہ یہ نئی تعلیم عیسائیت کی اشاعت مین معین ہو گی، اسی لئے گورنمنٹ کی طرف سے مشنری اسکولون کی پوری حوصلہ افزائی ہوئی، اور اون مین انجیل کی تعلیم داخل کی گئی،

۳۔ انگریزون کو اپنی حکومت کی تنظیم مین ایسے ماتحتون کی ضرورت تھی، جو اُن کے دفترون کے لئے کچھ مواد اور مسالون کو ان کے مطالعۂ تجویز اور فیصلے کے لئے مرتب کر سکین، اور ان کو ان کی زبان مین معاملے کی صورتِ حال کو سمجھا سکین،

ان وجوہ سے جدید درسگاہون کو پہلے تو مذہبی اور اخلاقی تعلیم سے یکسر خالی رکھا گیا، پھر ان مین صرف انھین علوم کو داخل کیا گیا، جو اس قسم کے ادنیٰ تعلیم یافتون کو ان کے لئے مہیا کر سکے، ایسے محررون، کلرکون اور ماتحت افسرون کو سب سے پہلے تو انگریزی جاننا چاہئے، تاکہ وہ ان کی زبان مین سلطنت کے معاملات اور کاغذات کو پیش کر سکین، پھر ان کو حساب جاننا چاہئے کہ ان کے دفاتر کے حساب و کتاب کو درست رکھ سکین، چنانچہ جو نئی تعلیم ہندوستان مین جاری کی گئی، اُس کی اصلی بنیاد یہی دو چیزین ہین، انگریزی اور حساب، اوس کے ساتھ تیسری چیز جغرافیہ ہے، جس سے مقصود صرف اس قطعۂ ارض کا علم ہے، جہان سے آفتاب کبھی نہین ڈوبتا، اور اوس سے اوس سلطنت کی وسعت اور عظمت کے ساتھ اس کے مختلف ٹکڑون کا جوڑ بھی معلوم ہو، چوتھی چیز تاریخ ہے، جس کا مقصد اس ملک کی قومون کے باہمی دشمنانہ تعلقات کی یاد کو ان کے دلون مین تازہ رکھنا اور انگریزون نے جیسا کہ وہ کہتے ہین، اس ملک مین ایک منظم، عادل اور متمدن حکومت قائم کر کے اہلِ ملک پر جو احسان کیا ہے، اس کو بار بار دہراتے رہنا ہے، چنانچہ حکومت وقت اپنے اس مقصد مین کامیاب ہوئی، اور اوس نے ہندو مسلمانون کے درمیان بغض و عداوت کی وہ آگ بھڑکا دی جو ہماری بہترین کوششون کے باوجود اب تک نہ بجھ سکی،

اعلیٰ تعلیم کے دو حصے ہین، فنون یعنی آرٹس اور علوم یعنی سائنس، یہ دونون حصے حد درجہ ناقص ہین، آرٹس مین جن فنون کی تعلیم دی جاتی ہے، اون کا ماحصل صرف اس قدر ہے کہ سلطنت کے لئے ماتحت افسر حاصل ہون، ابھی حال مین پٹنہ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس سر کورٹنی ٹیرل نے پٹنہ یونیورسٹی کے جلسۂ تقسیم اسناد مین جو خطبہ پڑھا، اس مین اونھون نے یہ بالکل بجا کہا ہے:۔

"بی، اے یعنی بیچلر آف آرٹس، کس قدر مغالطہ آمیز فقرہ ہے، وہ کون سا آرٹ ہے، جس مین ایک

بی، اے مہارت حاصل کرتا ہو"

لے دے کر ایک تاریخ، دوسری انگریزی اور تیسری پولیٹیکل اکانمی جس کی مناسبت قانون خوانی اور وکالت کے خیال سے ہو، اور پھر نظری فلسفہ، علوم مین ایک عجیب نُدرت یہ رکھی گئی ہو، کہ "نظریات" کو اہمیت دی جائے، اور "عملیات" سے پہلو تہی کی جائے، ہماری ایک بڑی درسگاہ مین سائنس کالج کی سب سے بڑی اہمیت علم حیوانات کی تعلیم ہے، حالانکہ ہم ابھی علم انسان سے بھی آشنا نہین، حیوانات کے خصائص اور زوجی فرائض کے علم سے بہتر ہمارے لئے یہ ہے کہ ہم یہ جانین کہ ان مین سے کس کا چمڑا ہم کس طرح کام مین لا سکتے ہین،

غرض ان بے عمل اور نظری علوم کی تعلیم سے ممکن ہے، کہ موجودہ حکامِ تعلیم کا یہ مقصد ہو کہ تعلیم یافتہ ہندوستانی اپنی زندگی گذارنے کے لئے حکومتِ وقت کے دستِ نگر رہین، تاہم یہ بھی اسی کا نتیجہ ہے کہ جیسے جیسے یہ تعلیم بڑھتی جاتی ہے، لکھے پڑھے اپاہجون کی تعداد بھی روز افزون ہے، اور چونکہ ہندوستان مین بے کارون کے لئے کام مہیا کرنا حکومت کا فرض نہین، اسلئے اس کو اپنے طریق تعلیم مین تغیر کی ضرورت بھی محسوس نہین ہوتی،

حکومت کی ابتدائی تعلیمی پالیسی کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ ہندوستان مین اور خصوصاً مسلمانون مین تعلیم کی ضرورت صرف نوکری کے حصول کے لئے ہے، اور اب انقلابات نے ہماری آنکھون سے یہ پردہ اوٹھا دیا ہے، کہ یونیورسٹیون کی یہ تعلیم نوکریون کے حصول مین بھی اب کارآمد نہین رہی ہے، تو اب سوال یہ ہے کہ آخر پھر اسی تعلیم کے پیچھے اب تک دوڑے چلے جانا کہان تک صحیح ہے، اگر اس تعلیم سے سرکاری نوکریون کا سہارا بھی ہو، تو بھی یہ سمجھنا چاہئے کہ سرکاری نوکریان قومی افلاس کے دور کرنے کا علاج نہین ہین، وہ علوم و فنون جو حصولِ دولت کے اصلی ذرائع ہین، ان کی تعلیم ہمارے نظامِ تعلیمات سے قطعاً خارج ہے، عملی کیمسٹری، آلات سازی اور صنائع و حرفت کی تعلیم جن پر قومی روزی کا دار و مدار ہے، ہمارے تعلیمی دائرے سے تمامتر باہر ہے، کہ اگر ان کی تعلیم یہان ہو، تو پھر ہندوستان انگلستان کی مصنوعات کا بازار باقی نہ رہے، ڈاکٹری ہم کو یہان سکھائی جاتی ہے، مگر دوا سازی نہین کہ اگر ایسا ہو تو پھر دواؤن کی قیمت مین ہندوستان اپنا سرمایہ انگلستان کو دینے پر مجبور کیون ہو،

اسکول کی پوری تعلیم مین سائنس کی تعلیم برائے نام ہی چھوئی جاتی ہے، جغرافیہ طبیعی، حفظان صحت اور طبیعیات کی دوسری چھوٹی چھوٹی باتون کے سوا ان کو اور کچھ بتایا نہین جاتا، اور ٹوٹی پھوٹی انگریزی لکھنے اور بولنے اور حساب جوڑنے کے سوا کچھ اوران کو نہین آتا، کالجون کی اعلیٰ تعلیم مین اونھین خاکون کو اور زیادہ ابھار دیا جاتا ہے، افسوس ہے کہ ان مسائل پر پوری طاقت سے گفتگو کرنے کیلئے مین اپنے مین اہلیت نہین پاتا، اس لئے تفصیلات کو اپنے سے زیادہ لائق اشخاص کے سپرد کر کے صرف چند سرسری اشارون پر اکتفا کرتا ہون،

۱۔ سب پہلے یہ کہ کیا یہ غیر مذہبی اور غیر قومی تعلیم آیندہ جاری رہنا چاہئے؟ کیا ایسا نصاب تعلیم آپ کیلئے زہر نہین جو مذہب و اخلاق اور قومی تخیل کی روح سے یکسر خالی ہو؟

۲۔ کیا نفس انگریزی زبان کا معیار تعلیم کہ ہر ہندوستانی خالص انگریزون کی طرح اس زبان مین لکھ پڑھ سکے، اب بھی باقی رہنا چاہئے؟ یا اس قدر جاننا کافی ہے، جس سے اس کے ذریعہ گفتگو، کاروبار اور حصول علم ممکن ہو،

۳۔ علوم مین ان سائنسون کو جگہ دی جائے جن سے ہم کو عملی فائدہ پہنچے اور وہ ہمارے علم کے ساتھ ہماری دولت کو بھی بڑھا سکین،

ہمارے بچون کو یہ پڑھایا جاتا ہے، کہ گھڑی سے وقت کیون کر پہچانین، ٹکٹ لے کر ریل پر کیون کر بیٹھین اور ایک موٹر کا عام استعمال کیون کر کرین، تار لکھ کر بابو کے ذریعہ تار کیونکر بھیجین لیکن یہ نہین پڑھایا جاتا، کہ ہم گھڑی کیون کر بنائین، لوہے کو مٹی سے کیسے نکالین، پھر لوہے کو کیسے صاف کرین، پھر کیون کر ریل کی پٹریان اور گاڑیان اور پہئے اور انجن بنائین، موٹر کے ٹکڑون اور ان ٹکڑون کو کیسے بنا کر جوڑین، اسی مثال پر دوسری باتون کو قیاس کیجئے،

ہم اب تک پوری تیزی کے ساتھ اسکول کی تعلیم کے بعد کالج کی تعلیم کی طرف دوڑتے چلے گئے ہین، اور یہ سمجھتے رہے ہین، کہ بس اس کے بعد ہم کامیابی کی منزل کو پہنچ گئے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ کالج کی گران قیمت تعلیم

مین ہم اپنے بچون پر جس قدر صرف کرتے ہین، اکثر ایسا ہو رہا ہے، کہ ان لڑکون کو اس تعلیم کے بعد اتنی رقم بھی ماہوار ملنی مشکل ہے، ہمارے لڑکے بی اے تک ایک بنی ہوئی شاہراہ پر پوری امنگ اور ولولون کے ساتھ دوڑتے چلے جاتے ہین اور ان کو ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ اس سڑک کے خاتمے پر ان کو اپنی منزل کا پتہ مل جائے گا، مگر وہ جب وہان پہنچتے ہین، تو دفعۃً منزل مقصود کی رفیع عمارت کے بجائے ایک عمیق غار ان کو نظر آتا ہے، اور وہ ٹھٹک کر کھڑے ہو جاتے ہین، اور اب سوچتے ہین، ع

گذری جو گذرنی تھی اب چاہئے کیا کرنا

غور کرتے ہین تو سرکاری نوکری کے سوا اپنے اندر اور کسی کام کی صلاحیت نہین پاتے، اس سے مایوس ہو کر بعض لوگ تو ذرا اکتا کر پھر آگے دوڑنا شروع کر دیتے ہین یعنی ایم اے کی تیاری مین لگ جاتے ہین، اور بعض قانون یاد کرتے ہین، یا ٹریننگ کی فکر کرتے ہین، لیکن اب ٹریننگ کا دروازہ بھی بند ہو رہا ہے، اور قانون کے میدان مین جو بھیڑ بھاڑ ہے اوس سے کون بے خبر ہے،

ان واقعات نے یہ غور کرنے کا موقع دیا ہے، جن کو علم علم کے لئے حاصل کرنا ہے، آیا اون کے لئے اس طریقۂ تعلیم مین علوم کی تحصیل کا سامان ہے، اور جن کو علم کمائی کے لئے حاصل کرنا ہے، کیا انھون نے اس موجودہ طریقۂ تعلیم مین اپنی شکم سیری کا بھی کوئی فن سیکھا ہے؟

اب اس مسئلے مین ذرا بھی شک کی گنجائش نہین، کہ ان چند لوگون کے سوا جو علم کی واقعی تحصیل چاہتے ہین، یا علمی اور تعلیمی پیشے مین زندگی گذارنا چاہتے ہین، بقیہ افراد کو صرف اسکول کی تعلیم پر قناعت کرنی چاہئے، اور اعلیٰ تعلیم کا فریب نہ کھانا چاہئے، اس تعلیم کے بعد اون کو کسی صنعت و حرفت، تجارت، یا اور دوسرے ذرائع معاش کی طرف توجہ کرنی چاہئے، اعلیٰ تعلیم مین صرف اونھی کو جانا چاہئے جو واقعی علم کے شیدا ہون، اور تحقیق و تکمیل کے طالب ہون،

اس مین شک نہین، کہ موجودہ حکومت نے اس اعلیٰ تعلیم کو اپنے چند بلند عہدون کے لئے انتخاب کا معیار مقرر کر لیا ہے اور اونھین کا لالچ قوم کی قوم کو اس کی طرف کھینچ رہا ہے، مگر غور کے قابل بات ہے کہ یہ چند عہدے جو ہر صوبے مین

دس بیس سے زیادہ نہیں وہ ہزارون اور لاکھون مسلمانون کو نہیں مل سکتے، جب چند سال کی دفتر گردی کے بعد بالآخر وہین لوٹ کر آنا ہو، تو پہلے ہی سے وہین جانے کی تیاری کیون نہ کیجائے، ؟

ہمارے یہان تعلیم کی ایسی بندھی ہوئی اور محدود صورت ابتک ہے، کہ خواہ لڑکے مین مناسبت ہو، یا نہ ہو، اور ان علوم سے اون کو وابستگی ہو یا نہ ہو، بہرحال وہ ان کو پڑھنا ہے، اور ان مین ان کو کامیاب ہونا ہے، ورنہ آیندہ وہ کسی لائن مین بھی گھس نہین سکتے، اس مجبورانہ طریق تعلیم نے ہمارے طلبہ کی ذہانتون کا اور والدین کے سرمایے کا بے دریغ خون کیا ہے، آخر قوم کی یہ ذہنی خودکشی اور مالی فضول خرچی کب تک جاری رہے گی، اور کیا اب بھی وقت نہین آیا، کہ اس موجودہ تعلیمی نظام کے خلاف ہم اپنے لئے آپ ایک منظم تعلیم کی بنیاد ڈال کر عملاً بغاوت کا اظہار کرین اور ان علوم کو چھوڑین جن کا انتہائی مقصد عمدہ انگریزی سیکھنا ہو، اور ان علوم کو اختیار کرین جن سے قومی تربیت کے بعد حصول زر کا طریقہ سیکھا جائے،

ہم نے اس تعلیم کے متعلق کچھ نہین کہا ہے، جس کا مقصد علم کا حصول ہے، کہ اس کیلئے سب سے پہلی شرط پیٹ کے سوال سے آزادی ہے، ہم نے ابتک یہ چاہا ہے کہ علم اور پیٹ دونون مقصدون کو ایک تعلیم کے اندر جمع کر دین، اور یہ ناممکن ہے، پیٹ کی تعلیم سے علم کی آسودگی حاصل نہین ہوسکتی، یہی سبب ہے کہ ہم نے مسلمانون مین اس نئی تعلیم کے ذریعے سے کوئی بڑا فلاسفر، کوئی بڑا مصنف، کوئی بڑا محقق، کوئی بڑا مورخ، کوئی بڑا سائنٹسٹ، کوئی بڑا موجد، کوئی بڑا کیمسٹ، کوئی بڑا ماہر اقتصادیات، کوئی بڑا جغرافیہ داں، کوئی بڑا ریاضی داں، کوئی بڑا مدبر، کوئی بڑا سٹیٹسمین پیدا نہین کیا، اور اگر اتفاقاً پیدا ہو بھی گیا تو اس نے علمی زندگی نہین پائی، کیونکہ علم کی صبر آزما اور سنگلاخ راہ سے کمال کی منزل تک پہنچنے کے بجائے جھوٹی پالٹکس اور سرکاری نوکری کے ذریعہ فخر و شہرت اور نام و نمود پیدا کرنے کا راستہ ان کو زیادہ آسان نظر آتا ہے، اور علم کا تقاضا ہے، کہ علم کے سوا اوس کے طالب کا کوئی اور مقصود نہ ہو،

تعلیم کی زبان سب سے آخری بات تعلیم کی زبان کا مسئلہ ہے، مین نے ابھی مسلم یونیورسٹی کے خطبے مین اس پر اپنے مفصل خیالات ظاہر کئے ہین جن کے دُہرانے کی حاجت یہان نہین، اب وقت آگیا ہے، کہ ہم اس بدیسی زبان کی گرفت سے

جو ۱۳۵۰ھ مین ہم پر مسلط کی گئی آزادی حاصل کرین، یہ نکتہ بھلایا نہ جائے کہ ہم نے بدیسی زبان کے ذریعہ تعلیم ہونے کی مخالفت کی ہے، نئے علوم اور کسی قوم کی علمی و ادبی زبان سیکھنے کی نہین، علوم و فنون خواہ کتنے ہی نئے ہون، اور کسی قوم سے اون کو نسبت ہو، وہ کسی خاص زبان کے اندر محدود نہین، مسلمانون نے ہندوستان، ایران اور یونان کے سب علوم و فنون سیکھے مگر اس طرح نہین کہ اونھون نے اپنی تعلیم کی زبان ہندی یا ایرانی یا یونانی کر دی ہو، بلکہ یہ کیا کہ ان تمام زبانون کے علوم و فنون کو خود اپنی زبان مین منتقل کیا، یا دوسرون سے منتقل کرایا، اور اس اپنی زبان کے ذریعے لوگون کو ان علوم و فنون کی تعلیم دی، آج اگر یورپ ہی کی تقلید کمال کی دلیل ہے، تو کیا کسی پست سے پست یورپین قوم کی مثال دی جا سکتی ہے، جس نے اپنی زبان کو چھوڑ کر دوسری اعلیٰ قومون کی زبانون کو علوم و فنون کی عام تعلیم کا ذریعہ قرار دیا ہو، کل بیت الحکمت نے بغداد مین جو کچھ کیا وہ کیا ہے، جو دارالترجمہ عثمانیہ مین آج نہین ہوسکتا، جاپان نے انگریزی اور فرنچ کے ذریعے اپنے ہان تعلیم نہین پھیلائی، اور نہ آج ترک تک باین ہمہ جدت پسندی جرمن اور فرنچ کو تعلیم کا ذریعہ بنا رہے ہین، کیونکہ وہ اس نکتے کو سمجھتے ہین، کہ زبان کو قومیت کی تخلیق مین کیا اہمیت حاصل ہے،

۱۹۲۰ء مین فرانس جب شام کو امیر فیصل سے چھین کر اس پر قبضہ کر رہا تھا، تو اوس وقت اتفاق سے مین فرانس کے شہر ونیس مین تھا، فرنچ اخبارات شام پر اپنے قبضے کے جو وجوہ بتا رہے تھے، ان مین سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ "یہ وہ ملک ہے، جہان فرنچ زبان کے تین سو اسکول ہین" یہی وہ اسکول ہے، جہان شامی بچون کے دلون مین فرانس کی محبت کا بیج بویا گیا، یہ بیج بڑھا، اور آج ایک تناور فرنچ حکومت کے سایہ دار درخت کی صورت مین شام مین موجود ہے،

جامعہ کی چاردیواری مین اس اہمیت مین استدلال قائم کرنے کی ضرورت نہین، جو قومون کی تکوین و تخلیق مین زبانون کو حاصل ہے، مذہب کے بعد وہ زبان ہی ہے، جو پوری قوم کو ایک متحد قوم بناتی ہے، وہ زبان جو کسی قوم مین ذریعہ تعلیم نہ ہو کبھی سرسبز نہین ہوسکتی، یہی سبب ہے، کہ جہان تک نئے تعلیم یافتہ افراد کا تعلق ہے، ہماری زبانون کو بہت کم امداد ملی ہے، وہ تعلیمی زبان نہ ہونے کی وجہ سے علوم و فنون کے خزانون

سے محروم ہے، اور نئے علوم بدیسی زبان کے ایک ایسے پنجرے مین بند ہین، جہان تک رسائی ہے اس کے ممکن نہین کہ پہلے ہم اس بدیسی زبان مین سالہا سال تک مہارت حاصل کرلین، پھر بھی ہمارے بچے ان علوم کی تہ تک بآسانی اس وقت تک نہین پہنچ سکتے، جب تک ان علوم کے سمجھنے سے پہلے وہ اس زبان کی مشکل کو حل نہ کرلین، مثال یہ ہے، کہ آپ ان کو الجبرا یا حساب کا کوئی مسئلہ حل کرنے کو انگریزی زبان مین سوال دیتے ہین، بچے کو پہلی مشکل یہ ہے، کہ وہ اس سوال کی زبان کو سمجھے، پھر علم کی مشکل کو حل کرے، پھر بھی وہ اس کو اس آسانی سے نہین سمجھ سکتا جس آسانی سے وہ اپنی مادری زبان مین سمجھ سکتا ہے، اور سمجھ لینے کے بعد بھی اس کو مادری زبان مین دہرانے پر تو یقیناً قدرت نہین رکھتا، کہ اس کے لئے اس کو پہلے مناسب الفاظ اور مصطلحات کے پیدا کرنے کی مشکل درپیش رہتی ہے،

ہندوستان مین مسلمان نہ صرف یہ کہ مادری زبان مین علم کی تحصیل سے معذور ہین، بلکہ یہ کہنا چاہئے، کہ وہ سرے سے مادری زبان سے محروم ہین، ہندوستان زبانون کا جنگل ہے، صوبہ وار زبانون کو چھوڑ کر اردو ہندی کا ایک مستقل جنگل اس ملک مین قائم ہے، ہمارے وطنی بھائیون نے اُس اہمیت کو پوری طرح محسوس کرکے جو زبان کو قوم کے وجود مین حاصل ہے، یہ عزم کرلیا ہے کہ وہ ہندی کو پوری مادری نہ سہی تو علمی وادبی زبان تو ضرور ہی بنالین گے، لیکن مسلمان اب تک اس عزم اور فیصلے سے غافل ہین، اور ابھی تک انگریزی ہی بولنے، لکھنے اور پڑھنے کو کمال کا معیار جان رہے ہین، اور دوسری قوم سے مستعار مانگی ہوئی دولت پر فخر کرنا حماقت نہین سمجھ رہے ہین، اگر ہندوستان کو ایک قوم بننا ہے، تو یہان کی زبان کو بھی ایک ہندوستانی زبان بننا ہے، اور یہ وہی زبان ہوگی، جس کو ہندو مسلمان کی ملی جلی طاقت نے ایک ہزار برس کے میل جول سے اس ملک مین پیدا کیا ہے،

اب تک ہم اس ساحرانہ فریب نظر مین پھنسے تھے، کہ ان نئے علوم کی تعلیم بدیسی زبان کے سوا ہندوستان کی مادری زبان مین ہو ہی نہین سکتی، مگر یہ سحر اب ٹوٹ رہا ہے، اور سرکار نظام کی بہادرانہ پیش قدمی نے

اس جال کے ایک ایک تار پود کو الگ الگ کردیا ہے اور ثابت کردیا ہو کہ یہ علوم کسی خاص زبان کے پابند نہین، شراب کو جس پیالے مین بھی پیو وہ شراب ہے، اور تلوار کو جس غلاف مین بھی رکھو، وہ تلوار ہے، سوال ظرف کا نہین مظروف کا ہے

مسلمانو! اٹھو اور ایک نئے تعلیمی نظام کی بنیاد رکھو، دنیا کا انتظار نہ کرو، وقت ہو کہ تم آگے بڑھو، دنیا خود تمھارے پیچھے آئے گی،

ہم کو اس کا احساس ہے، کہ آج کی گفتگو مین کچھ دل خراش باتین بھی ہین، مگر سنجیدگی سے غور اس پر کرنا ہو کہ یہ سچی باتین ہین، یا نہین، اگر ہین تو زخمون پر کب تک اس ڈر سے نشتر نہ لگایا جائے کہ اس سے بیمارون کو تکلیف ہوگی،

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین،

نفسیاتِ حکیم ناصر خسرو

از

پروفیسر مقصود ولی الرحمن، ایم، اے، استاذ نفسیات، جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن،

(۱)

جس وقت سے انسان نے اپنی حیات ذہنی میں دلچسپی لینا شروع کی ہے اس وقت سے اس مطالعہ نے دو راستے اختیار کئے ہیں، ایک مابعد الطبیعیاتی اور دوسرا علمی (سائنٹفک) ان میں سے پہلا طریق تفکر دراصل انسان کی مذہبی ضروریات حیات جاودانی کی خواہش و امید، اور حیات جسمانی کے بعد حیات روحانی پر اعتقاد کا نتیجہ تھا، ذہن کے اس مطالعہ کا نام عقلی نفسیات[۱] رکھا گیا، دوسرا طریقہ انسان کی عقلی فطرت کا نتیجہ تھا، اس مطالعۂ ذہنی نے بالآخر وہ صورت اختیار کی، جس کو اب عرصے سے تجربی نفسیات[۲] کہا جا رہا ہے، ان دونوں طریقوں کی مزید توضیح یہ کہکر بھی کی جاسکتی ہے کہ عقلی نفسیات روح کی ماہیت اور اس کے مبدا و معاد پر بحث کرتی ہے، اس طرح یہ فلسفے کی ایک شاخ ہے، فلسفے میں منجملہ اور مسائل کے مسئلۂ حقیقت پر بھی غور کیا جاتا ہے، فلسفے کی جس شاخ میں یہ بحث ہوتی ہے، اس کو مابعد الطبیعیات کہتے ہیں، اب چونکہ روح (اگر یہ فی الواقع موجود ہے) تمام حقائق میں سے اہم ترین ہے، لہٰذا عقلی نفسیات (روح جس کا موضوع بحث ہے) مابعد الطبیعیات کی بڑی شاخوں میں سے ہے، اس کے مقابلے میں تجربی نفسیات واقعات حیات ذہنی (جس صورت میں یہ ہمارے تجربے میں آتے ہیں) پر بحث کرتی ہے، یہ روح کی حقیقی و باطنی ماہیت یا اس کے وجود کے مسئلے سے تعلق نہیں رکھتی، بلکہ ان سب کو فرض کر لیتی ہے، دوسرے الفاظ میں روح اس کا اصول موضوعہ[۳] ہے، مختصراً یوں کہنا چاہئے، کہ ان دونوں میں فرق

۱؎ Rational Psychology ۲؎ Empirical Psychology

۳؎ Postulate

یہ ہے، کہ عقلی نفسیات تو اس سوال کا جواب ہے، کہ "روح کیا ہے"؟ اور تجربی نفسیات اس سوال کا کہ "ذہن کیا اور کس طرح کام کرتا ہے"؟ اپنے اس امتیاز کو باقی رکھنے کے لئے تجربی نفسیات "روح" کے لفظ کو ترک کر کے "ذہن"، "ذات" یا "شعور" کے الفاظ اختیار کرتی ہے، چنانچہ اس کے موافقین فخراً اور مخالفین طنزاً اس کو "نفسیات بلا روح" کہتے ہیں،

مندرجہ بالا گفتگو سے معلوم ہوا کہ تجربی نفسیات سے مراد وہ مطالعۂ ذہن ہے، جو حیات ذہنی کے واقعات کے مشاہدے پر مبنی ہوتا ہے، نہ وہ جو عام مابعد الطبیعیاتی تخیلات سے مستنبط کیا جاتا ہے، اب چونکہ واقعات مشاہدہ اس کا نقطۂ آغاز ہیں، لہٰذا یہ مطالعہ علمی (سائنٹفک) ہوتا ہے نہ کہ فلسفیانہ،

حیات ذہنی کے مطالعہ کے تجربی طریقے افلاطون وارسطو کے وقت سے مستعمل ہیں، ان دونوں کی تصانیف میں ذہنی مظاہر کے متعلق قیمتی بیانات ملتے ہیں، ان دونوں نے ذہن کی تحلیل کی ہے، اور نفسی اعمال کے مراتب و مدارج متعین کئے ہیں، لیکن تجربی نفسیات پر سب سے پہلا باقاعدہ رسالہ ارسطو نے لکھا، ازمنۂ وسطیٰ میں بھی یہ دلچسپی باقی رہی، اگرچہ یہ مابعد الطبیعیاتی نفسیات کے زیر اثر رہی، واقعہ یہ ہے، کہ یہ خصوصیت یونانی ازمنۂ وسطیٰ اور زمانۂ حال کی نفسیات کے بڑے حصے میں پائی جاتی ہے، زمانۂ حال کی تجربی نفسیات کا آغاز کہنا چاہئے، کہ جان لاک[۴] سے ہوا، اس کے ہاتھوں میں اگرچہ فلسفہ پر غالب آئی لیکن پھر بھی اس کی نفسیات اس کے فلسفیانہ عقاید ہی کی ترقی یافتہ صورت ہے، تجربی نفسیات کو اصلی اور آخری آزادی انیسویں صدی کے ربع آخر میں جاکر حاصل ہوئی،[۵]

(۲)

مسلمانوں میں بڑے بڑے جید فلاسفہ گزرے ہیں، کہ جنھوں نے ارسطو کے فلسفے کی تشریح میں اپنے اجتہاد

۴؎ جان لاک John Locke! ۲۹ اگست ۱۶۳۲ء میں پیدا ہوا، اور ۲۸ اکتوبر ۱۷۰۴ء میں انتقال کیا، ایک معنی میں یہ پہلا فلسفی تھا، جس نے ماہیت علم کی تحقیق کی طرف توجہ کی جو تحقیق اس نے شروع کی اس کا خاتمہ جاکر کانٹ پر ہوا،

۵؎ مزید تفصیل کے لیے دیکھو، (G. S. Moore کی Foundations of Psychology) باب اول، اور (Villa کی Contemporary Psychology) باب اول،

فکر کا ثبوت دیا ہے، اصل مین تو وہ ارسطو کے شارح تے، لیکن اس شرح مین اونھون نے وہ وہ نکات پیدا کئے اور وہ وہ باتین نکالین، کہ بعض بعض صورتون مین اُن سے بھی آگے بڑھ گئے[1]، تاہم اس مین شبہہ نہین کیا جاسکتا کہ انھون نے فلسفۂ مشائیت کو سمجھنے مین غلطیان کی ہین، اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ انھون نے بعض ایسے مصنفات کو، جو در اصل ارسطو کی نہ تھین، ارسطو کی سمجھا، اور یہ سمجھ کر ان کو اپنی شرح کی بنیاد کے طور پر اختیار کیا، لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ بعض بعض فلاسفہ مثلاً فارابی، و ابن سینا نے دیدہ و دانستہ یہ کیا کہ بعض بعض مسائل خود گھڑ کر ان کو ارسطو کی طرف منسوب کر دیا، اس جعل سازی کے مختلف وجوہ ہین، کہ جن کی تفصیل کا یہ موقع نہین، مولوی محمد یونس فرنگی محلی کا خیال بالکل صحیح ہے، کہ اونھون نے اکثر مسلمان فلاسفہ و متکلمین کو دھوکے مین ڈالا، اور انھین کی تصنیفات کی بدولت بعض ایسے مسائل بھی ارسطو کی جانب منسوب کر دیے گئے، جن کا نام و نشان بھی ارسطو کی کتابون مین نہین ملتا[2]، بجز ایسا بھی ہوا ہے کہ افلاطون اور ارسطو چونکہ فلسفے مین اُن کے خدا تھے[3]، لہذا اونھون نے یہ گوارا نہ کیا، کہ ان کے آپس مین کسی قسم کا تضاد پایا جائے، اس تضاد کو رفع کرنے کیلئے اونھون نے تمام زور تخیل خرچ کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ اس شرح و جانبداری کی وجہ سے متن کا حلیہ بگڑ گیا، حاشا کہ اس سے فلسفہ یا فلاسفۂ اسلام کی تنقیص مقصود نہین، اپنا اپنا طریق فکر ہے، اگر ان کو محض شارح ہی سمجھ لیا جائے، تب بھی ان کی عظمت مین کوئی شبہہ نہین، مثل مشہور ہے کہ یک من نقل را دہ من عقل باید، کچھ جوہر تو ان مین تھا، کہ یہ شارح بنے اور ایسے شارح بنے، کہ

---

[1] Renan مصنف Averroes et l'Averroïsme (ترجمہ انگریزی ص ۵۲)، [2] ابن رشد ص ۱۹۵ سلسلۂ دار المصنفین تفصیل کے لئے دیکھو [illegible] ص ۳۳. [3] چنانچہ فارابی نے اپنا رسالہ الجمع بین رای الحکیمین افلاطون الالٰہی وارسطوطالیس ان الفاظ مین شروع کیا ہے،" وکان ھذان الحکیمان ھما مبدعان للفلسفۃ ومنشأن لاوائلہا واصولہا ومتممان لاواخرہا وفروعہا وعلیہما المعول فی قلیلہا وکثیرہا والیہما المرجع فی یسیرہا وخطیرہا وما یصدر عنہما فی کل فن انما ھو الاصل المعتمد علیہ لخلوہ من الشوائب والکدر ... پھر تھوڑی ہی دور آگے چلکر کہتا ہے ... ھذین الحکیمین الامامین المنظور الیہما فی ابداع الصناعۃ " جیسا کہ [illegible] معلوم ہوتا ہے فارابی نے افلاطون وارسطو کو متحد الخیال ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جس مین وہ ہمارے نزدیک بالکل ناکام رہا ہے،

یونانی فلسفے کو ابد الآباد تک زندہ رکھے گئے[1]،

لیکن باینہمہ عظمت و اجتہاد تقریباً تمام فلاسفۂ اسلام اپنی نفسیاتی تعلیمات مین ارسطو سے آگے نہ بڑھ سکے، ان تمام فلاسفہ مین سے ابن سینا غالباً اکیلا فلسفی ہے، جس نے اپنے نفسیاتی عقاید کو باقاعدہ طور پر مرتب رسالون کی شکل مین بیان کیا ہے[2]، لکھنے کو دیگر فلاسفہ نے بھی نفس کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے، لیکن یہ سب "عقلی نفسیات" ہے، "تجربی نفسیات" نہین، ابن سینا کی خصوصیت یہ ہے، کہ اوس نے ماہیتِ نفس پر نہین، بلکہ اعمال و احوال نفس پر بحث کی ہے، لیکن اوس نے جو کچھ اور جتنا کچھ لکھا ہے، اس کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ ہم ارسطو کی کتاب کا اردو ترجمہ پڑھ رہے ہین، مطلب یہ ہے کہ اس نے تجربی نفسیات کی حد تک کوئی نئی بات بیان نہین کی، اس خصوص مین ہمارے نزدیک حجت خراسانی حکیم ناصر خسرو ان سب پر فائق ہے، یہ خیال رہے کہ اس وقت مابعد الطبیعیات کا ذکر نہین، ذکر نفسیات، اور بالخصوص تجربی نفسیات کا ہے، اوراق آیندہ مین ہم حکیم ناصر خسرو کے نفسیاتی عقائد کی توضیح کرین گے، اس کے مطالعہ سے قارئین بطور خود ہمارے بیان کی تصدیق یا تکذیب کر سکین گے،

(۳)

نفس مضمون کی طرف رجوع کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ بطور تعارف حکیم ناصر خسرو کے سوانح حیات[3]

---

[1] اس ضمن مین پروفیسر ویبر کا یہ فقرہ بہت پر معنی ہے، کہ (It is more learned than original.) دیکھو تاریخ فلسفہ، انگریزی ترجمہ ص ۲۱۰ حاشیہ نمبر ۲، [2] ابن سینا کے نفسیاتی عقائد کے لئے دیکھو (Z.D.M.G.) بابت ۱۸۷۵ء اس مین ڈاکٹر لانڈور (Landauer) نے اس کا ایک رسالہ معہ جرمن ترجمہ کے شائع کیا ہے، اس کے علاوہ کتاب النجاۃ، کتاب الشفاء، اور شہرستانی کی ملل و النحل (مطبوعہ یورپ ص ۴۱۳، ۴۲۹) سے تمام مفصل عقائد معلوم ہو سکتے ہین، ہم آج کل "نفسیات ابن سینا" پر ایک مبسوط رسالہ بزبان انگریزی تالیف کر رہے ہین، جو عنقریب شائع ہوگا، [3] حیات ناصر خسرو کے لئے دیکھو:- تاریخ ادبیات ایران مصنفہ براؤن جلد دوم ص ۲۱۸ وما بعد، ریو (Rieu) کی (Catalogue of the Per. Mss. in Br. Museum)

مختصراً بیان کردئے جائین،

ابو معین الدین ناصر خسرو یا بقول بعض ابو معین ناصر بن خسرو[۱] القبادیانی المروزی جیسا کہ نام ہی سے ظاہر ہے،

قصبہ قبادیان[۲] کا رہنے والا تھا، لیکن پروفیسر ایتہ کا قول ہے کہ اس کا وطن بلخ تھا،[۳] دلیل اس دعوی کی اس نے یہ پیش کی

ہے، کہ وہ بلخ مین سکونت پذیر رہا، پھر بقول ڈاکٹر براؤن مشہور غلط نویس دولت شاہ کے نزدیک اس کا وطن اصفہان

تھا،[۴] لیکن سفرنامہ کے شروع ہی مین ناصر خسرو خود اپنے آپ کو قبادیانی کہتا ہے،[۵] اس کے علاوہ ایک رباعی مین وہ اپنے

خراسانی الاصل ہونے کو صاف طور پر بیان کرتا ہے،:-

گرچہ مرا اصل خراسانی است	از پس پیری و مہی و سری،
دوستی عترت و خانۂ رسول	کرد مرا یمگی و مازندری،

(بقیہ حاشیہ ص ۲۶۹) پروفیسر ایتہ (Ethe) کی Grundriss der Iranischen Philologie یا محمود غنی زادہ کا مقدمہ سفرنامہ مطبوعہ کاویانی، مندرجہ بالا خاکہ اسی مقدمہ سے ماخوذ ہے، اور غنی زادہ کے نام سے تمام حوالے اسی مقدمہ کے ہین، [۱] غنی زادہ ص ج [۲] بقول غنی زادہ قبادیان "قصبہ ایست درحوالی مروشاہجہان (یا مرو کلان، دیکھو جغرافیہ خلافت مشرقی مصنفہ لی اسٹرینج، مترجمہ محمد جمیل الرحمن صاحب شائع کردہ جامعہ عثمانیہ ص[؟]) از توابع خراسان" (ص[؟]) لیکن پروفیسر براؤن کے نزدیک "یہ ترمذ اور جیحون کے قریب ایک شہر اور بھاونی کا نام ہے" (ادبیات ایران، جلد دوم ص۲۲۱، حاشیہ) لی اسٹرینج لکھتا ہے "شہر قبادیان اس دریا کے کنارے آباد ہے جو دریائے وخشاب کے مغرب مین سب سے پہلے دریائے جیحون مین گرا ہے،" (ایضاً ص ۴۸۲) اس طرح یہ ترمذ کے قریب مشرق کی طرف واقع ہے، لی اسٹرینج کا بیان براؤن کے بیان کے مطابق ہے، لیکن غنی زادہ کا بیان بھی غلط نہین، دقت صرف یہ ہے کہ مروشاہجہان ترمذ سے اور آگے مغرب کی طرف واقع ہے، لہذا قبادیان کو ترمذ کے قریب کہنا مروشاہجہان کے قریب کہنے کی نسبت زیادہ قرین صداقت ہوگا، غنی زادہ ص ج، بحوالہ (Grundriss der Iranischen Philologie) [۳]

[۴] ادبیات ایران ص۲۲۱، [۵] سفرنامہ مطبوعہ کاویانی ص۱،

لہذا پروفیسر ایتہ اور دولت شاہ دونون کے بیانات بداہتہً غلط ہین،[۱] ۳۹۴ھ مطابق ۱۰۰۳ء مین پیدا ہوا،

اس کے تحصیل علم کے متعلق ہمین کچھ معلوم نہین،[۲] زادالمسافرین کے مطالعہ سے اتنا البتہ معلوم ہوتا ہے، کہ اوس کو فلسفے کا بہت

شوق تھا، اور فلاسفۂ یونان، خصوصاً سقراط، افلاطون، اور ارسطو کی اکثر کتابین اس کے مطالعے مین رہتی تھین، اسی ضمن مین

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے، کہ وہ بوعلی سینا[۳] کی صحبت سے بھی مستفید ہوا تھا، لیکن یہ محقق نہین، سفرنامہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے،

کہ مکہ کی طرف سفر کرنے سے قبل وہ سلیمان جغر بیگ داؤد بن میکائیل (جو ایران مین سلطنت سلاجقہ کے مؤسس طغرل

بیگ کا بھائی تھا) کے زمانہ مین خراسان مین دیوانی کی کسی خدمت پر مامور تھا، اور شہر کے عمائد مین اس کا شمار ہوتا تھا،[۴]

اس کے اکثر اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بہت عیش و عشرت اور عزت و احترام کی زندگی بسر کرتا تھا،

اس کا اپنا قول[۵] ہے، کہ ۴۳۷ھ مین جوزجان مین اوس نے خواب دیکھا کہ کوئی شخص اسکو شراب پینے سے (جس

کا وہ بہت عادی تھا) منع کر رہا ہے، ایسی چیز کا شوق دلا رہا ہے، جس سے ہوش و خرد مین ترقی ہو، اور مکہ کی طرف

سفر کرنے کی ترغیب دلا رہا ہے، خواب سے بیدار ہونے کے بعد اس نے ہاتھ منہ دھویا، اور جامع مسجد جا کر نماز پڑھی،

---

[۱] واقعہ یہ ہے کہ ناصر خسرو کی شخصیت مختلف افسانون سے اس طرح ڈھکی ہوئی ہے، کہ اوس کے اصلی سوانح کو معلوم کرنا بہت دشوار ہے، ان تمام افسانون کا ماخذ، بقول ڈاکٹر براؤن، ناصر خسرو کی وہ جعلی خود نگاشتہ سوانح عمری ہے، جو اسکے دیوان مطبوعہ تبریز کا مقدمہ ہے، (ادبیات ایران، جلد دوم ص۲۲۱) ان ہی افسانون مین سے ایک عجیب افسانہ القزوینی نے اپنی کتاب آثار البلاد مین یمگان کے ذکر مین بیان کیا ہے، اس مین ناصر خسرو کو بلخ کا بادشاہ بتایا گیا ہے، جسکو اس کی رعایا نے باہر نکال دیا تھا، لہذا اوس نے یمگان مین جا کر پناہ لی، یمگان پہنچ کر اوس نے نہایت حیرت انگیز حمام، باغات اور طلسمی بُت بنوائے، یہ بت اس قسم کے تھے، کہ جو انکی طرف دیکھتا تھا اسکی عقل جاتی رہتی تھی، قزوینی کا بیان ہے کہ یہ حمام اسکے وقت تک موجود تھا، چنانچہ اوس نے اسکو بالتفصیل بیان کیا ہے، [۲] ابو علی حسین بن عبداللہ ایران اور مسلمانون کا مشہور فلسفی ۳۷۰ھ مین پیدا ہوا، اور ۴۲۸ھ مین انتقال کیا، [۳] سفرنامہ مطبوعہ کاویانی ص[؟] [۴] ایضاً ص۲، اسی خواب کے بعد اوس نے اپنے آپ کو حکیم کہنا اور کہلوانا شروع کیا، کیونکہ خواب مین اسکو متنبہ کیا گیا تھا کہ جو شخص بے ہوشی و بے خودی پیدا کرنے والی اشیاء کا استعمال نہین کرتا، بلکہ ہوش و خرد کو بڑھانے کی تدابیر کرتا ہے، اوسکو اصلی معنون مین "حکیم" کہنا چاہیے، وہ بھی خواب کے بعد چونکہ شراب سے تائب ہو چکا تھا، لہذا اس تنبیہ کے مطابق وہ بھی اصلی معنون مین حکیم بن گیا تھا،

اور شراب ترک کرنے میں حضرت باری تعالیٰ سے مدد چاہی، اس کے بعد جمعرات کے دن ۶ جمادی الاخری ۴۳۷ھ کو راہ سفر اختیار کی سب سے پہلے وہ مرو گیا، اپنے عہدے سے مستعفی ہوا، اور ۲۳ شعبان ۴۳۷ھ کو مرو سے روانہ ہو کر ۱۱ شوال کو نیشاپور پہنچا یہاں اکیس روز قیام کرکے دوسری ذی القعدہ کو پھر روانہ ہوا، اور سمنان، ری، اور قزوین سے ہوتا ہوا، آذربائیجان آیا، اور تبریز میں قطران شاعر سے ملاقات کی یہاں سے براہ مرند و خوی، شہروان پہنچا، اور وان سے براہ اخلاط، بطلیس، میافارقین آمد، حران، اور سروج شامات میں وارد ہوا، اور ابھی ابو العلاء معری[1] زندہ تھا، کہ معرۃ النعمان میں داخل ہوا، لیکن ابو العلاء سے ملاقات نہ کی، اوس نے اپنے سفرنامہ میں ابو العلاء کا ذکر خوب پر لطف پیرایے میں کیا ہے؛- لکھتا ہے:-

"در آن (یعنی معرۃ النعمان) مردے بود کہ ابو العلاء معری می گفتند، نابینا بود و رئیس شہر او بود، نعمتی بسیار داشت، و بندگان و کارگران فراوان، و خود ہمہ شہر او را چون بندگان بودند، و خود طریق زہد پیش گرفتہ بود، گلیمے پوشیدہ و در خانہ نشستہ، نیم من نان جوین راتبہ کردہ کہ جز آن ہیچ نخورد، و من این معنی شنیدم، کہ در سرائے باز نہادہ است و نواب و ملازمان او کار شہر می سازند، مگر بکلیات کہ رجوع باو کنند، و وے نعمت خویش از ہیچ کس دریغ ندارد و خود صائم الدہر و قائم اللیل باشد و بہیچ شغل دنیا مشغول نشود، و این مرد در شعر و ادب بدرجہ است کہ افاضل شام و مغرب و عراق مقرند کہ درین عصر کسے بپایہ او نبودہ است، و نیست، و کتابے ساختہ آن را الفصول و الغایات نام نہادہ، و سخنہا آوردہ است مرموز و مثلہا بالفاظ فصیح و عجیب کہ مردم بران واقف نمی شوند، مگر بر بعضی اندک، و آن کسے نیز کہ بر وے خواند، چنانکہ او را تہمت کردند کہ تو این کتاب را بمعارضہ قرآن کردۂ و پیوستہ زیادت از دو صد کس از اطراف آمدہ باشند و پیش او ادب و شعر خوانند و شنیدم کہ او را زیادت از صد ہزار بیت شعر باشد، کسی از وے پرسید کہ ایزد تبارک و تعالیٰ این ہمہ مال و نعمت ترا دادہ است، چہ سبب است کہ مردم را می دہی و خویشتن نمی خوری جواب داد کہ مرا بیش ازین نیست کہ می خورم، و چون من آنجا رسیدم این مرد ہنوز زندہ بود"[2]

[1] ابو العلاء احمد بن عبد اللہ المعری مشہور و معروف عالم ۳۶۳ھ میں پیدا ہوا، اور ۴۴۹ھ میں انتقال کیا، [2] سفرنامہ مطبوعہ کاویانی صفحہ ۱۵-۱۶

معرۃ النعمان سے نکل کر طرابلس و صیدا ہوتا ہوا فلسطین پہونچا، اور ۵ رمضان ۴۳۸ھ کو وارد بیت المقدس ہوا، دو ماہ بعد مکہ گیا، اور حج سے فارغ ہو کر پھر بیت المقدس لوٹ آیا، یہاں سے چاہتا تھا، کہ دریا کے راستے سے مصر جائے، لیکن ہوا مخالف تھی، لہذا مجبوراً خشکی کے راستے تونس سے ہوتا ہوا مصر پہنچا، یہاں خلیفہ فاطمی المستنصر باللہ برسر حکومت تھا، مصر کے شکوہ و عظمت اور خلیفہ کے دبدبہ و احتشام سے بہت مرعوب ہوا، اسی وقت اور یہیں یہ فرقۂ اسماعیلیہ میں داخل ہوا، اور عہد کیا کہ ایران جاکر اس کی تبلیغ کریگا،

غرہ ذی القعدہ ۴۳۹ھ کو دوسری مرتبہ بعزم زیارت مکہ مصر سے روانہ ہوا، اور مدینہ کی زیارت سے مشرف ہوا ۱۰ ذی الحجہ کو مکہ پہنچا لیکن چونکہ وہاں قحط پھیلا ہوا تھا، لہذا وہاں توقف نہ کیا، بلکہ فوراً ہی مصر واپس چلا آیا اگلے سال (یعنی ۴۴۰ھ) میں پھر چونکہ قحط تھا، اور خلیفہ نے حاجیوں کو بھیجنا مناسب نہ سمجھا، لہذا قاضی عبد اللہ (جو خلیفہ فاطمی کی طرف سے غلاف کعبہ کا حامل تھا) کے ساتھ اس کو تیسری مرتبہ مکہ جانا پڑا، اس سال بھی یہ فوراً ہی مصر واپس آگیا، اگلے سال ۴۴۱ھ میں اوس نے حج نہ کیا، بلکہ ۱۴ ذی الحجہ کو مصر کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہکر ماہ جمادی الاخری چوتھی مرتبہ مکہ پہنچا اس مرتبہ قریب چھ ماہ یہاں مقیم رہا، اور ۴۴۲ھ میں آخری حج کرکے مختلف مقامات سے ہوتا ہوا، ۲۰ شعبان ۴۴۳ھ کو بصرہ میں آیا، دو ماہ یہاں قیام کرکے پھر اسی طرح سیاحت کرتا ہوا، ۸ صفر ۴۴۴ھ کو اصفہان میں وارد ہوا بیس دن یہاں ٹھہرا، اور پھر اور شہروں کی سیر کرتا ہوا ۲۶ جمادی الاخری ۴۴۴ھ کو اپنے بھائی ابو سعید کے ہمراہ بلخ پہنچا، اور اپنے دوسرے بھائی ابو الفتح عبد الجلیل سے آملا، اس طرح اوس نے پورے سات سال سیر و سیاحت میں بسر کئے[1]

[1] یہاں اس نظریے کی طرف اشارہ کرنا نامناسب نہ ہوگا، جس کو ڈاکٹر ریو (Rieu) جیسے فاضل نے پیش کیا ہے، اور جس کو پرتش (Pertsch) اور فاگنان (Fagnan) کی تائید حاصل ہے، اس کے مطابق ناصر خسرو دو تھے، اور ان دونوں کی کنیت ابو معین تھی، ان میں سے ایک شاعر فلسفی اور ساحر تھا اور دوسرا سیاح لیکن شفر (Schefer) اور آنہ کی تحقیق کی روشنی میں یہ نظریہ (بقیہ حاشیہ ص ۲۷۴ پر)

اس ہفت سالہ سیر و سیاحت میں، بقول غنی زادہ، ناصر خسرو نے "فوق العادہ تکالیف" اوٹھائیں، چنانچہ اکثر اوس نے "بے آب و علف بیابانوں میں" اعراب بادیہ نشین کے درمیان نہایت خطرے میں زندگی بسر کی ہے، ایک مرتبہ تو اوس کو فلج نام ایک مقام پر چار ماہ قیام کرنا پڑا، یہ مقام ایک بیابان کے وسط میں اس طرح واقع تھا کہ چاروں طرف دو دو فرسنگ تک آبادی کا نام نہ تھا، اس تمام مدت میں اوس نے کھجوریں کھا کھا کر اپنی زندگی کے دن پورے کئے، پھر اس کو ایسے راستے طے کرنے پڑے ہیں، کہ جہاں کے باشندے سالوں پانی کی شکل تک نہیں دیکھتے، اسی ہیئت، خوبی و مفلسی میں وہ بصرہ پہنچا، بصرہ پہنچنے کے وقت جو حالت اس کی تھی، اوس کو اوس نے اپنے سفرنامہ میں بڑے مزے سے بیان کیا ہے[1]،

ان تمام تکالیف و مصائب اور تنگی و ترشی کا اثر ناصر خسرو پر یہ ہوا کہ اس کے مزاج میں انتہا درجے کی غریبی پیدا ہوگئی، اوس نے تمام دنیا سے قطع تعلق کیا اور بقیہ عمر مذہبی مجادلات کے لئے وقف کر دی، اسی زمانہ میں وہ مصر کے خلفائے فاطمیہ کا "داعی و مبلغ آتشین" رہا، لیکن عجیب بات یہ ہے، کہ اوس نے اپنی کسی تصنیف میں بھی اپنے آپ کو "اسماعیلی" نہیں کہا[2]، بلکہ ہر جگہ فاطمی، حجت مستنصری، حجت خراسانی یا محض "حجت" کہتا ہے، اوس کے دیوان میں اکثر اشعار اس کی تائید میں ہیں،

لیکن مصر سے واپسی کے بعد جن خیالات کی تبلیغ ناصر خسرو نے کی وہ "عقائد طائفہ اہل سنت" کے منافی تھے، اس کے علاوہ امراے خراسان بھی، کم از کم ظاہراً، خلفاے بغداد کی متابعت کرتے تھے، اور اپنے آپ کو "تولی امیر المومنین" کہتے تھے، لہذا ناصر خسرو کی یہ تبلیغ کسی کو بھی خوش نہ آئی، پھر ان کو یہ بھی اندیشہ ہوا، کہ کہیں ایسا نہ ہو، کہ اس طرح مصر کے خلفاے فاطمیہ کا اثر و نفوذ یہاں زیادہ ہو جائے، نتیجہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ) قابل قبول نہیں، تفصیل کیلئے دیکھو تاریخ ادبیات ایران، جلد دوم ص ۲۲۴ و ۲۲۵) [1] سفرنامہ ص ۱۲۹،

[2] غالباً یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر رحمان زاد المسافرین کے مقدمہ میں یہ فقرہ لکھ گئے، کہ وے ایکیاز طائفہ شیعہ اسماعیلیہ و مبلغین آنہا بود، یا نہ یکے از مشکلات است کہ حل شناختن آسان نیست" ص ح،

اس سب کا یہی ہونا چاہئے تھا، کہ ناصر خسرو اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہوا، یعنی اوس کو جلاوطن کیا گیا، چنانچہ خود لکھتا ہے،:-

"...... جہال است کہ ما را بد دین خوانند و بر ما غلبہ کردند و از مسکن و شہر خویش ما را براندند[1] ....."

ایک خیال یہ ہے کہ یہ سب کچھ خلیفہ بغداد کے حکم سے ہوا، چنانچہ اس کے بعض اشعار میں بھی اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے، علامہ غنی زادہ کی تحقیق یہ ہے، اور اس طرف فضلاے فرنگ میں سے کسی کا ذہن بھی منتقل نہ ہوا کہ خراسان سے جلاوطن ہو جانیکے بعد وہ مدت تک مازندران میں رہا[2]،

ناصر خسرو کی تاریخ وفات کے متعلق اختلاف آرا ہے، اس کے متعلق جو افسانے زبان زد عوام ہیں، ان کے مطابق اس کی عمر ۱۴۰ سال کی ہوئی، اور مرنے کے بعد جنوں نے اسکو دفن کیا[3]، لیکن تقویم التواریخ کے مطابق اس نے ۴۸۱ھ میں انتقال کیا، علامہ غنی زادہ اس سے بھی متفق نہیں،

اس کے مصنفات میں سے جن کتابوں کے نام ہم تک پہنچے ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:- سفرنامہ، روشنائی نامہ، سعادت نامہ، زاد المسافرین، دیوان اشعار، وجہ دین، بستان العقول، خوان اخوان، دلیل المتحیرین، ان کے علاوہ بعض تذکرہ نویسوں نے منطق اور بقول صاحب آتشکدہ فلسفہ کی کتاب اکسیر اعظم، سحر اور علم فوق العادۃ کی کتاب قانون اعظم، فقہ کی کتاب المستوفی، علم یونان کی ایک کتاب دستور اعظم، ایک رسالہ کنز الحقائق، اور ملاحدۂ باطنیہ کے نقطۂ نظر سے ایک تفسیر القرآن کا بھی ذکر کیا ہے، لیکن آج تک ان میں سے کوئی بھی ہمارے ہاتھ نہیں لگی، معلوم مصنفات میں سفرنامہ، روشنائی نامہ، سعادت نامہ اور زاد المسافرین کو مطبع کاویانی جرمنی نے شائع کیا ہے،

اس تعارف کے بعد اب ہم اپنے نفس مضمون کی طرف رجوع کرتے ہیں، ناصر خسرو نے اپنے فلسفیانہ عقائد کو زاد المسافرین میں بہت شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے، ہم نے بھی اس کے نفسیاتی عقائد کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، وہ اسی سے ماخوذ ہے، یہ کتاب باعتبار حجم اس کی تمام مصنفات میں سے سب سے بڑی ہے، اور معلوم ایسا ہوتا ہے، کہ بلحاظ مضمون بھی وہ اسکو

[1] زاد المسافرین مطبوعہ کاویانی ۱۳۴۱ھ، [2] ص ۲، [3] تاریخ ادبیات ایران مصنفہ براؤن جلد دوم ص ۲۱۸،

سب پر فائق سمجھتا تھا، چنانچہ اس کے متعلق لکھتا ہے:-[1]

ز تصنیفات من زاد المسافر   کہ معقولات را اصل ست و قانون

اگر بر خاک افلاطون بخوانند   ثنا خواند مرا خاک فلاطون

یہ کتاب اوس نے ۴۵۳ھ[2] میں خلیفہ فاطمی المستنصر باللہ کے نام سے تصنیف کیا ہے[3] مقصود اس تصنیف کا خود مصنف کے الفاظ میں یہ ہے:-

"...... پیش از آنکہ بقولے رسیم کہ مقصود ما از تالیف این کتاب آنست و آن مقصود بیان است از آنکہ نفس چرا بر مثال مسافر است، اندرین عالم و از کجا ہمی آید و کجا ہمی شود، و اندرین سفر زاد او چیست"[4]

اس کو برادر معظم ڈاکٹر محمد بذل الرحمن ایم اے، پی ایچ ڈی (کیمبرج)، حال پرنسپل اسمٰعیل کالج اندھیری (بمبئی) کی تصحیح و تحشیہ کے بعد مطبع کاویانی برلین نے ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۹۲۳ء میں شائع کیا، اوراق آیندہ کی تدوین کے وقت یہی نسخہ راقم کے پیش نظر رہا ہے،

(۴)

زاد المسافرین میں حکیم ناصر خسرو نے اپنے نفسیاتی عقاید کو یکجا اور مسلسل طور پر بیان نہیں کیا، اس کے مضامین کی ترتیب اس کی فلسفیانہ تعلیم کے مطابق ہے، لہذا جو خاکہ اس نے اپنے ذہن میں اپنے فلسفہ کا قائم کیا ہے، اس کے مطابق جوابات جہان موزون معلوم ہوئی، بیان کردی گئی ہے، نتیجہ اس کا یہ ہے کہ کتاب میں تسلسل اور مضامین و مباحث میں منطقی تعاقب تو پیدا ہو گیا، لیکن کسی خاص مبحث کے متعلق اس کے خیالات کو دریافت کرنے کیلئے تمام کتاب کی ورق گردانی لازمی ہو گئی لیکن چونکہ دماغ سلجھا ہوا، عقیدہ پختہ اور خیالات میں منطقی ربط ہے، لہذا کتاب کے مختلف صفحات میں سے بلا خیال تقدیم و تاخیر جو کچھ بھی یکجا جمع کر دیا جائے، اس میں نہ تو تضاد پایا جاتا ہے، نہ خیالات کے تسلسل میں انقطاع، اس کی نفسیاتی

[1] دیوان مطبوعہ طہران ص ۲۴۳، [2] زاد المسافرین ص ۴۰۰، [3] ایضاً مقدمہ ص ج، [4] ایضاً ص ۳۱۴ اسی مناسبت نے اس نے اس کا نام زاد المسافرین رکھا ہے،

تعلیمات کے لئے بھی ہم کو یہی کرنا پڑا ہے، کہ مختلف مقامات سے اس کے خیالات کو منتزع کر کے ان کو ترتیب دیا ہے، اور ایک خاص سلسلے میں ان کو بیان کیا ہے، لہذا یہ خیال رکھنا چاہئے کہ اوراق آیندہ میں مضامین و مباحث کا جو سلسلہ ہم نے قائم کیا ہے، وہ اصل کتاب سے بالکل مختلف ہے، اس اختلاف کی وجہ یہ ہے، کہ ہمارے نزدیک ہمارے اختیار کردہ سلسلے سے اس کے نفسیاتی عقائد سہولت کے ساتھ اور واضح طور پر ذہن نشین ہوتے ہیں، اور مصنف کے اجتہاد فکر کا سب سے زیادہ بین ثبوت مہیا کرتے ہیں، ہم سب سے پہلے ماہیت نفس کو لیتے ہیں،

حکیم ناصر خسرو نے نفس کی تعریف اس طرح کی ہے، کہ یہ ایک جوہر ہے کہ جسمیں حرکت مطلق ہوتی ہے، جو بذات خود زندہ ہے، صورتون کا مکان ہے، دانش پذیر ہے، جسم کی فنا کے بعد بھی بذات خود قائم رہتا ہے"[1] خداوند علیم ہے[2] اور جسم نہیں[3] اسکا کوئی مکان نہیں[4] اور اسکا علم ہمکو بلا واسطہ نہیں ہوتا[5] بلکہ اسکا افعال کے ظہور کی وساطت سے ہوتا ہے[6]

اپنی اس تعریف کو اوس نے ماہیت نفس کے متعلق مروجہ نظریہ کا ابطال کر کے ثابت کیا ہے، ماہیت نفس کے متعلق مروجہ نظریہ[7] یہ تھا کہ نفس کوئی ایسی چیز نہیں، جو بذات خود قائم ہو، یہ دراصل اعتدال مزاج کا دوسرا نام ہے، اسی اعتدال کی وجہ سے جسم حیوانی زندہ ہے، اور اسی کی بدولت اس سے افعال صادر ہوتے ہیں، ثبوت اس نظریہ کا یہ دیا جاتا ہے کہ جب دیوانگی، بیماری، یا مستی، کی وجہ سے اعتدال باقی نہیں رہتا، تو تمام افعال ناقص ہو جاتے ہیں، اور جانی اور پہچانی ہوئی چیزون کو نہ وہ جان سکتا ہے، نہ پہچان سکتا ہے، اس کا مطلب صریحاً یہی ہے، کہ چونکہ اعتدال کے باقی نہ رہنے کی وجہ سے علم و عمل دونوں بگڑ جاتے ہیں، لہذا ان دونوں میں ربط علیت ہے، اس کے علاوہ جب ہم کو یہ معلوم ہے کہ اعتدال میں ذرا سے فتور ہی سے علم و عمل دونوں میں کچھ نہ کچھ فتور واقع ہو جاتا ہے، تو نتیجہ نکالا جا سکتا ہے، کہ جب جسم میں انحلال واقع ہوگا، اور

[1] زاد المسافرین ص ۲۱، [2] ص ۴۱-۴۲، [3] ص ۴۴، [4] ص ۵۵، [5] ایضاً ص ۳۷۰، [6] ایضاً ص ۱۲۱، [7] ناصر خسرو نے بیان نہیں کیا کہ یہ کس خاص فلسفی کا نظریہ ہے، صرف اتنا لکھا ہے، کہ گروہے از ضعفائے خلق کہ رنج آموختن علم نتوانستند کشیدن، و لطائف مر الصورت خویش نتوانستند کردن، گفتند...." ص ۸۵

معارف:- یہ اطباء طب یونانی کا نظریہ ہے،

یہ بھی ہو جائے گا تو علم و عمل، دونوں کلیتہً مفقود ہو جائیں گے، اس طرح ثابت ہوا، کہ حیوانات کا علم و عمل اعتدالِ مزاج کا نتیجہ ہے، اور اعتدال کے ختم ہوتے ہی ان دونوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے، اسی کو اس طرح بھی بیان کیا جا سکتا ہے، کہ جسم کے فنا ہو جانے کے ساتھ ہی نفس بھی فنا ہو جاتا ہے، بالفاظِ دیگر نفس قائم بذاتِ خود نہیں، بلکہ اپنے قیام کے لئے جسم کا محتاج ہے؛[1]

اس نظریہ میں بہت سی باتیں قابلِ غور ہیں، سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اعتدالِ مزاج کسے کہتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ اس کی تعریف سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتی، کہ ایک جسم کے اجزاء مرکبہ علی السویہ ہوں، جسم چونکہ "آب و باد و خاک و آتش" سے مرکب ہے، لہذا اس تعریف کے مطابق اعتدال اس وقت قائم ہوگا، جب یہ چاروں ایک دوسرے کے برابر ہوں، اور کوئی بھی کسی سے کم نہ ہو، اب چونکہ تمام حیوانات بشمول انسان میں علم و عمل ہوتا ہے، لہذا ان سب کے اجسام میں اعتدال کا ہونا ضروری ہے یعنی لازمی ہے، کہ ان سب میں یہ چاروں عناصر ایک دوسرے کے برابر ہوں، اگر یہی صورت ہے، تو ہونا یہ چاہئے تھا، کہ ان سب کا مزاج بالکل ایک ہی سا ہو، اور اس لئے ان سب کا علم و عمل بھی ایک ہی نہج پر ہو لیکن ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ نہ تو ان سب کا مزاج ایک ہی سا ہوتا ہے، اور نہ ان کا علم و عمل ہی ایک نہج پر ہوتا ہے، انسانوں ہی میں کسی کے مزاج میں گرمی و خشکی کا غلبہ ہوتا ہے، اور کسی کے مزاج میں سردی و تری کا، ہم کو یہ بھی معلوم ہے، کہ مزاج کا یہ اختلاف ان ہی عناصر کی کمی و بیشی کا نتیجہ ہوتا ہے، لہذا ظاہر ہے کہ انسانوں کے مزاج میں اعتدال نہیں پایا جاتا، یہی حال اعلیٰ اور ادنے درجے کے حیوانات کا ہے، چنانچہ بعض حیوانات برف میں پیدا ہوتے ہیں اور بعض آگ میں بعض ہوا میں زندہ رہتے ہیں، اور پانی میں مر جاتے ہیں اور بالعکس بعض پانی میں زندہ رہتے ہیں، اور ہوا میں مر جاتے ہیں، و قس علیٰ ہذا یعنی ان کے اجسام میں بھی اعتدالِ عناصر نہیں ہوتا، نظریہ زیرِ تنقید کے مطابق اعتدال ہی ان کو زندہ رکھنے والا ہے، اور وہ اسی اعتدال پر ان کا علم و عمل موقوف ہوتا ہے، اور یہ اعتدال، جیسا کہ ہم نے ابھی دیکھا ہے، غیر موجود ہے، لہذا یہ حیوانات نہ تو زندہ رہنے چاہئیں، اور نہ ان میں علم و عمل ہونا چاہئے لیکن باوجود اس

[1] زاد المسافرین صفحہ ۵۰۔

عدمِ اعتدال کے زندہ بھی رہتے ہیں، اور ان میں علم و عمل بھی ہوتا ہے، نتیجہ بداہتہً یہ ہے کہ ان کو زندہ رکھنے، اور ان میں علم و عمل پیدا کرنے کیلئے اعتدالِ مزاج کافی نہیں ہوتا، بلکہ اس کیلئے کسی اور چیز کی ضرورت ہوتی ہے، یہ اجسام چونکہ نفس کی وجہ سے ذی حیات بنتے ہیں، اور اسی سے ان میں علم و عمل پیدا ہوتا ہے، لہذا نفس اعتدالِ مزاج کا ہم معنی نہیں ہو سکتا، اس کے علاوہ اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ اعتدالِ مزاج حیوانات کو زندہ رکھنے والا ہے، اور یہ ہر حیوان میں پایا جاتا ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ اعتدالِ مزاج عرض ہوگا، نہ کہ جوہر، اگر یہ نظریہ صحیح ہے، تو صورتِ حال یہ ہوئی کہ عرض جوہر کو زندہ رکھنے والا ہے، اور حرکت دینے والا ہے، اگر ایسا ہے، تو عرض جوہر ہے، اور جوہر عرض، لیکن یہ غلط اور محال ہے، لہذا ثابت ہوا کہ نفس اعتدالِ طبائع نہیں؛[1]

دوسری قابلِ غور بات یہ ہے، کہ اس نظریے کے ثبوت میں یہ واقعہ پیش کیا گیا ہے، کہ جب دیوانگی، بیماری یا مستی کی وجہ سے اعتدال میں فساد واقع ہوتا ہے، تو علم ناقص ہو جاتا ہے، لیکن اس ثبوت کو پیش کرتے وقت یہ واقعہ نظر انداز کر دیا گیا ہے، کہ صحت و ہوش کے عود کر آنے سے جب اعتدال دوبارہ قائم ہو جاتا ہے، تو غائب شدہ علم بھی عود کر آتا ہے، اور ناقص علم کا نقص رفع ہو جاتا ہے، اب اگر ہم اعتدال کو نفس کا ہم معنی، اور اس لئے "خداوند علم" فرض کر لیں، تو پھر صحت و ہوش کے عود کر آنے کے وقت صورتِ حال کچھ ایسی ہوگی:- اعتدال خراب ہو جانے کا مطلب یہ ہے، کہ طبائع حیوانی کے عناصر میں سے بعض فاسد ہو گئے ہیں، لہذا جو عناصر کہ صحیح و سالم رہے، وہ اس اعتدال کے بگڑ جانے کی وجہ سے بے علم ہو گئے، صحت و ہوش کے عود کر آنے سے اعتدال دوبارہ قائم ہو جانے کا مطلب صرف اسی قدر ہو سکتا ہے کہ فاسد عناصر کی جگہ نئے عناصر پیدا ہو گئے، یہ نئے عناصر ان عناصر کے علم سے بداہتہً بے خبر ہیں، جو فاسد ہو گئے تھے، اس سے صاف طور پر یہی نتیجہ نکلتا ہے، کہ پہلے اعتدال کے وقت جو علم موجود تھا، وہ نئے اعتدال کے وقت نہ ہونا چاہئے، لیکن ہمارا تجربہ و مشاہدہ اس کے خلاف ہے، یعنی بیمار شخص اپنی بیماری سے صحت پانے کے بعد اپنے گذشتہ علم کو بجنسہ پا لیتا ہے یہی حالت دیوانہ و مست کی ہوتی ہے، ان تمام باتوں کو پیشِ نظر رکھنے سے ظاہر ہے، کہ ہم اعتدال کو نفس نہیں کہہ سکتے

[1] زاد المسافرین ص ۵۹، ۶۰۔

صرف اتنا البتہ کہہ سکتے ہیں، کہ اعتدال نفس کا ایک خادم ہے، اور یہ تمام علم اعتدال میں نہیں، بلکہ نفس میں تھا، اور یہی نفس معقول و مصنوع کی تمام لطیف صورتوں کا معدن ہے[1] اس لحاظ سے اعتدال کے بگڑ جانے سے علم کا ناقص یا غائب ہو جانا، اور اعتدال کے دوبارہ قائم ہو جانے سے علم کا عود کر آنا ایسا ہی ہے، جیسا کہ ہمارا کوئی خادم بیمار ہو جاتا ہے، تو جو کام کہ اس کے تفویض ہے، وہ ناقص یا ختم ہو جاتا ہے، اور اس خادم کے تندرست ہو جانے کے بعد وہ خاص کام پھر ٹھیک ٹھیک ہونے لگتا ہے، یہ امر تو ثابت شدہ ہے، کہ نفس اپنے معلومات کو کسی وجہ سے گم کر دینے کے بعد دوبارہ حاصل کر لیتا ہے یہی امر اس حقیقت پر دال ہے کہ بیماری وغیرہ کی وجہ سے ذاتِ نفس میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا، کیونکہ اگر یہ خلل واقع ہوتا تو گم شدہ علم ہمیشہ کیلئے تباہ ہو جاتا، اب بیماری ایک درجے کی موت ہے، لہذا کہا جا سکتا ہے کہ موت سے بھی نفس کا علم تباہ نہیں ہوتا یعنی یہ کہ نفس میں کوئی فساد نہیں ہوتا، اس کو یوں بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ فسادِ جسم سے ذاتِ نفس میں کوئی نقصان پیدا نہیں ہوتا، نفس بذاتِ خود قائم ہے، اور اعتدال کا ہم معنی نہیں[2]،

پھر یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے، کہ جسم حیوان میں برابر تحلیل جاری رہتی ہے، اسی وجہ سے سیری کے بعد بھوک لگتی ہے پس ایک ایسی چیز کہ جس کے اجزاء برابر کم ہوتے رہیں کس طرح معتدل رہ سکتی ہے، لیکن دہری کہتا ہے کہ جو اعتدال جسم حیوانی میں ہوتا ہے، وہ ہمیشہ تحلیل ہی سے پیدا ہوتا ہے، اب اگر ایسا ہے، تو لازم آتا ہے کہ کبھی تو حیوان میں زندگی کم ہو، اور کبھی زیادہ اور یہ محال ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ بھوک کے وقت جو حالت انسان کی ہوتی ہے، وہ اس حالت سے مختلف ہوتی ہے جو سیری کے وقت اس کی ہوتی ہے، اب اگر حالتِ سیری حالتِ اعتدال ہے، تو حالتِ گرسنگی لازماً حالتِ عدم اعتدال ہوگی، اب چونکہ اعتدال ہی سے حیوانات کی زندگی قائم رہتی ہے، لہذا بحالتِ سیری تو ان میں زندگی ہوگی، اور بحالتِ گرسنگی عدم زندگی یعنی بھوک کی حالت میں وہ حیوان مردہ ہوگا، لیکن ہمیں معلوم ہے کہ حیوان بھوک کی حالت میں زندہ رہتا ہے، لہذا ثابت ہوا کہ نفس اعتدال طبائع کا دوسرا نام نہیں[3]،

اسی سلسلے میں ایک نکتہ اور پیدا ہوتا ہے، اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ اعتدال طبائع ہی نفس ہے، تو ایک سوال

[1] زاد المسافرین ص ۷۰، ۷۱، [2] ایضاً ص ۷۱، ۷۲،

یہ پیدا ہوتا ہے، کہ آخر وہ کون سی چیز ہے کہ جو اجزائے طبائع کو اس طرح برابر کر دیتی ہے کہ وہ معتدل ہو جاتے ہیں، حالانکہ وہ اپنے کل سے کبھی جدا نہیں ہوتے؟ جواباً اگر کہا جائے کہ یہ اجزائے طبائع خود بخود جدا ہو جاتے ہیں، اور پھر خود بخود ہی ایک دوسرے کے ساتھ مل جاتے ہیں، تو پھر ہونا یہ چاہیے کہ تمام طبائع فی الجملہ ایک دوسرے کے ساتھ مل جائیں، کیونکہ یہ تمام اجزاء کلیات میں سے ہیں، اور کل جسم خود اپنے اجزاء کے سوا اور کیا ہے؟ لیکن فی الواقع ہوتا یہ ہے کہ کل طبائع میں سے بعض اجزاء تو مل جاتے ہیں، اور بعض بدستور جدا رہتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان اجزاء کو ملانے والی کوئی اور قوت ہے توضیح اس کی یوں کی جا سکتی ہے، کہ سب جانتے ہیں کہ آدمی کی صورت نطفہ ہی میں بن جاتی ہے، اور نطفہ مفعول ہے، اب ہر مفعول کیلئے اس کی اپنی ذات کے علاوہ کسی اور ذاتِ فاعل کی ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ یہ محال ہے، کہ ایک ہی ذات خود اپنی ہی فاعل ہو اس وجہ سے کہ اس طرح جو چیز کہ زمانہ آیندہ میں آنے والی ہے، وہ اپنے وجود سے قبل موجود ہو جاتی ہے یعنی ایک ہی چیز موجود بھی ہو جاتی ہے اور معدوم بھی، جو بداہتہً محال ہے، پس واجب ہے کہ نطفہ میں ایک ایسی قوت ہے، جو ذاتِ نطفہ کے ہر جزو کی نگہداشت کرے، اوسکو ایک خاص صورت دے، اور ایک موزون مقام میں اوسکو جگہ دے کہ اس کے لائق غذا مہیا کرے، اور اس طرح اس کو زندہ رکھے، دوسرے الفاظ میں یہ قوت جسم نہ ہوگی، بلکہ اس جسم (نطفہ) کی نگہبان اور صورت گر ہوگی، اس دعوی پر دلیل یہ لائی جا سکتی ہے، کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ نطفہ بذاتِ خود اپنی ذات کا صورت گر ہے، کیونکہ یہ ایک ہی جوہر کے اجزاء سے مرکب ہے، اور ان میں سے کوئی بھی جزو اس قابل نہیں کہ دوسرے باقیماندہ اجزاء کی صورت گری کر سکے، پھر یہ بھی روا نہیں کہ اس کے تمام اجزاء خود اپنی ذات کے لئے فاعل بھی ہوں اور منفعل بھی، کیونکہ جیسا کہ اوپر واضح کیا جا چکا ہے، یہ محال ہے، ماحصل اس تمام تقریر کا یہ ہے کہ تمام کا تمام نطفہ مفعول اور صورت پذیر ہے، اسی سے نتیجہ نکالا جا سکتا ہے، کہ نطفہ میں کوئی ایسی چیز لازمی ہے، جو اس کے لئے فاعل اور صورت گر ہے، اور اسی سے یہ بھی لازم آتا ہے، کہ یہ چیز جسم نہ ہوگی، کیونکہ اگر یہ جسم ہے تو یہ اسی نطفہ کا ایک جزو ہے، اور اس لئے مفعول ہے، اس طرح آخری نتیجہ یہ ہے کہ نطفہ میں جو صورت گر ہے، وہ جسم تو نہیں لیکن جوہر ضرور ہے، کیونکہ عرض جسم میں کوئی صورت پیدا نہیں کر سکتا، اس وجہ سے کہ عرض قائم بالذات نہیں ہوتا، اور جو چیز کہ قائم بالذات نہیں، اس کا کوئی فعل نہیں ہوتا

لیکن جو چیز کہ نطفہ کو صورت دیتی ہے اس کا فعل ہوتا ہے، لہذا یہ عرض نہیں، اور چونکہ یہ عرض نہیں لہذا یہ لازماً جوہر ہے، اگر مندرجۂ بالا بیانات سے معترض کو تشفی نہ ہوتی ہو بھی اوس کو شبہ ہو کہ انسان یا دیگر حیوانات کے نطفہ میں ایک جوہر ایسا ہوتا ہے جو اس نطفہ کو صورت دیتا ہے، اوسکی نگہداشت کرتا ہے، اسکی غذا مہیا کرتا ہے، اور اس کو زندہ رکھتا ہے، تو اوس کو چاہئے کہ نباتات کے بیجون اور اُن کی جڑون پر غور کرے، کیونکہ ان میں بھی اسی قسم کی قوت ہوتی ہے، اور اُن میں یہ قوت ایک جوہر ہے جو اُس جسم کو صورت دیتا ہے جس کے ساتھ وہ پیوست ہے۔[1]

اس طرح یہ ثابت ہوا کہ حیوانات کے نطفہ میں یا نباتات کے بیجون اور اُن کی جڑون میں ایک جوہر ہوتا ہے، جسکو ہم نفس کہتے ہیں، یہ جوہر یعنی نفس ابداعی ہوتا ہے،[2] اب جو چیز کہ ابداعی ہوتی ہے، وہ کسی اور چیز کا جزو نہیں ہوتی، اور اس کی قوت بھی متناہی نہیں ہوتی، اس کا ثبوت بھی نطفہ اور بیجون پر غور کرنے سے ملتا ہے، ان دونون میں یہ قوت بے نہایت ہوتی ہے، چنانچہ گندم کے ایک دانہ سے اتنی گندم پیدا ہوتی ہے، کہ اوس سے زمین اور آسمان پُر ہو سکتے ہین، اور اس تمام گندم کے ہر دانے میں وہی قوت ہوتی ہے، جو اس پہلے دانے میں تھی، جس سے کہ یہ سب گندم پیدا ہوئی، اب اگر نفس اعتدال ہے اور اعتدال نہ گرم ہوتا ہے نہ سرد، نہ تر ہوتا ہے، نہ خشک نہ گران ہوتا ہے نہ سُبک، تو ظاہر ہے، کہ جانورون میں اعتدال نہیں ہوتا، کیونکہ ان سب کا حال جُدا جُدا ہے، لہذا اُن میں نفس بھی نہیں ہوتا، اور اگر ان میں نفس نہیں ہوتا، تو ان میں یہ جوہر ابداعی بھی نہیں ہوتا، لیکن یہ سب خلاف واقعہ ہے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا، تو ان میں توالد و تناسل بھی نہ ہوتا،[3]

اس نظریۂ اعتدال میں اس پر بھی غور نہیں کیا گیا کہ اگر جانورون کے طبائع متکافی الاجزاء ہوتے، تو ہونا یہ چاہئے تھا کہ وہ نہ زمین پر ہوتے، نہ آسمان پر، اُن کو نہ تو خاک پر قرار آنا چاہئے تھا، نہ پانی میں، نہ آگ میں، نہ ہوا میں، کیونکہ ان عناصر میں سے ہر ایک کی طبیعت اعتدال کے منافی ہے، لیکن خود ہمارا یہ حال ہے کہ ہم خاک پر رہتے ہین، اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ہم میں اجزائے خاکی کا غلبہ ہے، یعنی ہم میں اعتدال نہیں، پھر اگر جانورون کے طبائع متکافی الاجزاء ہوتے تو اُن میں سے بخارات بھی خارج نہ ہونے چاہئے تھے، کیونکہ بخارات صرف اس وقت پیدا ہوتے ہین، جب پانی پر آگ کا غلبہ ہو جاتا ہے، یہی اس بات کی دلیل ہے، کہ اُن کے مزاج میں گرمی تری پر غالب ہے، اس حالت میں ان میں اعتدال کس طرح قائم رہ سکتا ہے، اسی طرح اگر نفس اعتدال ہے، تو اور جانورون کے طبائع متکافی الاجزاء ہین، تو پھر حیوانات محض چھونے سے گرم کیون ہو جاتے ہین، ؟ کیا وجہ ہے کہ زمین تو ان کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے، اور ہوا، آگ اور پانی اُن کو اپنی طرف نہیں کھینچ سکتے، ؟ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان میں بادی اور آتشی اجزاء تو کم ہین اور آبی اور خاکی اجزاء زیادہ ؟ اگر یہ صحیح ہے، اور یقیناً صحیح ہے، تو یہ معتدل اور ان کے طبائع کے اجزاء متکافی کس طرح ہو سکتے ہین، ؟ لہذا معلوم ہوا کہ نفس اعتدال نہیں، ان تمام باتون کے علاوہ اس کا بھی خیال رکھنا چاہئے کہ اگر نفس اعتدال ہے، اور ہر جانور (بشمول انسان) کی طبیعت معتدل ہے، تو حالت یہ ہے کہ انسان تو بات کرنے والا اور عقلمند ہے، لیکن دوسرے جانورون میں بات کرنے کی قابلیت ہے اور نہ ان میں عقل ہے، اگر نفس اعتدال ہوتا، تو ہر جانور میں بلا امتیاز یہ صفات پائی جانی چاہئے تھین، اب اگر بات کرنے والے اور عقلمند جانور (انسان) کی طبیعت کو معتدل کہا جائے تو ظاہر ہے کہ بے سخن اور بے عقل حیوان کی طبیعت معتدل نہیں ہو سکتی، لیکن حالت یہ ہے کہ معتدل اور غیر معتدل دونون طبیعت والے جانور زندہ ہین، لہذا ظاہر ہے کہ ان کو زندہ رکھنے والا اعتدال نہیں، بلکہ کوئی اور چیز ہے، یہی کوئی اور چیز نفس ہے۔[1]

پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ جسم حیوانی میں کوئی مخصوص جگہ ایسی نہیں، جیسے طبیعت کا ظرف، یا مستقر کہا جا سکے، یہ اس کے تمام جسم میں پراگندہ ہوتی ہے، کسی جگہ گرمی زیادہ ہوتی ہے، مثلاً دل میں کہ معدن حرارت جسمانی ہے، کسی

---

[1] ایضاً ص ۲۹۰ و ۲۹۱ [illegible] جہاں ناصر خسرو نے تفصیل کے ساتھ نفس کے جوہر ابداعی ہونے کو ثابت کیا ہے، لیکن عجیب بات یہ ہے، کہ اس صفحہ پر جو بحث ناصر خسرو نے نفس کے جوہر ابداعی ہونے کے متعلق کی ہے، اس میں نفس مطلق (تعریف کیلئے دیکھو ص ۲۶) کو نہیں، بلکہ نفس ناطقہ کو جوہر ابداعی کہا ہے، حالانکہ اوپر جو بحث ماہیت نفس کے متعلق ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ صرف نفس ناطقہ نہیں بلکہ نفس مطلق جوہر ابداعی ہے، [3] ایضاً ص [illegible]

[1] زاد المسافرین ص ۶۵، ۶۶

جگہ سردی کا غلبہ ہوتا ہے، مثلاً انگلیوں کے سروں پر جہاں سردی کی وجہ سے ناخن سخت ہوگئے ہیں، کسی جگہ تری غالب ہوتی ہے، مثلاً معدے میں جہاں ہر وقت پانی بھرا رہتا ہے، کسی جگہ خشکی کی زیادتی ہے، مثلاً ہڈیوں میں اب قابلِ غور بات یہ ہے کہ جس جسم کی ترکیب اس قدر متفاوت ہو، اور جس کے طبائع کے اجزا اس قدر مختلف و متفرق ہوں، اس کو معتدل کہنا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے، پھر چونکہ تمام جسمِ حیوانی میں یہ طبائع پیدا ہوتے ہیں، اور تحلیل کی وجہ سے یہ مٹ بھی جاتے ہیں لہٰذا ظاہر ہے کہ کوئی چیز ہونی چاہئے، جو ان طبائع کی ترکیب و تقسیم کرے خود طبائع کا ایک جز و تقسیم کرنے کا آتنا ہی کم اہل ہے جتنا کہ اس تقسیم کو قبول کرنے کا، اس کے علاوہ یہ بھی محال ہے، کہ قاسم و مقسوم ایک ہی جوہر سے ہوں، اگر کہا جائے کہ گرمی وہ چیز ہے، جو ان طبائع کو تمام جسم میں تقسیم کرتی ہے، تو سوال ہوتا ہے کہ گرمی کو کون سی چیز تقسیم کرتی ہے، ؟ وقس علی ہذا، مختصر یہ کہ اس طرح پھر لازم آتا ہے، کہ ایک ہی جسم یا ذات فاعل بھی ہو، اور مفعول بھی، اور ہم اوپر دیکھ چکے ہیں، کہ یہ محال ہے، نتیجہ یہ کہ کوئی چیز ہے، جو ان طبائع کو تقسیم و ترکیب کرتی ہے، اور یہ چیز طبائع کے علاوہ کوئی اور جوہر ہے، اس وجہ سے کہ جسم کے اندر طبائع تو مفعول ہے، لہٰذا کسی وقت ہو سکتا ہے، کہ یہ جوہر جسم سے خارج ہو جائے، اور اس طرح یہ طبائع پراگندہ ہو جائیں[1]،

یہاں تک جو گفتگو نفس کے متعلق ہوئی ہے اس سے بخوبی واضح ہو گیا ہوگا، کہ نفس اعتدالِ طبائع نہیں، اب ثبوت طلب امر یہ ہے کہ زندگی ہمارے اجسام کے لئے عرضی ہے، عرضی وہ چیز ہوتی ہے، جو کبھی تو ایک چیز میں موجود ہو اور کبھی نہ ہو اب ہمارے جسم کبھی تو زندہ ہوتے ہیں، اور کبھی زندہ نہیں ہوتے، لہٰذا ہماری تعریف کے مطابق اجسام کی زندگی عرضی ہے پھر کسی چیز کے عرضی یعنی ایسی چیز سے پیدا ہوتے ہیں، کہ وہ معنی اس دوسری چیز میں جوہری ہوں، چنانچہ جب ٹھنڈا لوہا آگ میں رکھا جاتا ہے، تو گرم ہو جاتا ہے اب گرمی آگ کیلئے جوہری ہے، جب لوہا آگ میں ڈالا جاتا ہے، تو اس میں یہ عرضی گرمی پیدا ہو جاتی ہے، جو آگ کے لئے جوہری ہے، بعینہٖ یہی حال ہمارے اجسام کا ہے، جب ہمارے اجسام زندہ ہوتے ہیں، تو ان میں ایک ایسی چیز ہوتی ہے، جس کیلئے زندگی جوہری ہے، اسی چیز کی جوہری زندگی سے ہمارے

---

[1] زاد المسافرین ص ۶۰،

اجسام اپنی عرضی زندگی اخذ کرتے ہیں، ہم اسی چیز کو جس کے لئے زندگی جوہری ہے، نفس کہتے ہیں، اس طرح ہم کو ایک ایسی چیز مل جاتی ہے، جو نہ صرف بذاتِ خود زندہ ہے، بلکہ جو ایک جوہر کو زندگی بخشنے والی بھی ہے، اسی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ چیز جوہر ہے نہ کہ عرض، پھر ہم نے دیکھا کہ جس چیز کیلئے زندگی عرضی ہے، وہ تو فانی ہے، لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس چیز کیلئے زندگی جوہری ہے، وہ غیر فانی ہے، یہ بھی اس سے قبل[1] واضح کیا جا چکا ہے کہ جسم میں حرکتِ قسری[2] کے سوا اور کوئی حرکت نہیں ہوتی، اور یہ حرکت کسی ایسی چیز سے پیدا ہوتی ہے، جو بذاتِ خود متحرک بالارادہ[3] ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ جسم کی حرکتِ قسری نفس سے پیدا ہوتی ہے جس کی حرکت ارادی[4] ہے، اس کے علاوہ زندہ جوہر متحرک ہوا کرتا ہے، اور نفس چونکہ زندہ ہے، لہٰذا لازم آیا کہ حرکتِ مطلق صرف اُس نفس کیلئے ہے جس کیلئے زندگی جوہری ہے[5]،

انسان "صورتہائے نطقی و کتابتی و صنعتی" کو اُن کے مخصوص ہیولیٰ پر پیدا کرتا ہے، محسوس صورتوں کو قوتِ متخیلہ کے ذریعہ اس ہیولیٰ سے منتزع کر کے قوتِ حافظہ میں محفوظ کرتا ہے، اور معلومہ صورتوں کو اپنے نفس میں اس طرح جگہ دیتا ہے، کہ ایک معلومہ صورت اور کسی دوسری معلومہ صورت میں خلط ملط نہیں ہوتا، اس سے ثابت ہوتا ہے، کہ نفس مجرد صورتوں کا مستقر و مکان ہے، اس قول کی توضیح اس طرح بھی ہو سکتی ہے، کہ جب کوئی شخص کسی چیز کو پہلی مرتبہ دیکھتا ہے، تو اس کو پہچانتا نہیں، اس وجہ سے کہ اس کی قوتِ متخیلہ نے اس صورت کو اس کے ہیولیٰ سے مجرد نہ کیا تھا، اور اس لئے اس کے حافظے نے اس کو محفوظ نہ کیا تھا، لیکن جب وہ اس کو دوبارہ دیکھتا ہے، تو اس کو پہچان لیتا ہے، "اس سبب کہ پہلے تجربے کے بعد اس نے اس کی مجرد صورت کو محفوظ کر لیا تھا، دوسرے تجربے کی مجرد صورت کو چونکہ وہ پہلے تجربے کی مجرد صورت کے مشابہ پاتا ہے، لہٰذا وہ کہتا ہے، کہ یہ وہی چیز ہے،" اسکو وہ شناخت کہتا ہے، دوسرے الفاظ

---

[1] دیکھو زاد المسافرین ص ۴۵ [2] یعنی وہ حرکت جو اندر مطبوعات آید، و مرآن را بر خلاف طبع آن بجنبانند چون حرکت سنگے کہ ما در اسوے ہوا بر اندازیم تا بقہر سوے ہوا بر شود و بطبع فرود آید، (ایضاً ص ۳۹، ۴۰) [3] حرکت قسری را پدید آرندہ حیوانست کہ متحرک است، بحرکت ارادی (ایضاً ص ۴۲) [4] اما حرکت ارادی مر حرکت جانوران را گفتند کہ ایشان بحرکات مختلف متحرک اند، (ایضاً ص ۴۲،) [5] ایضاً ص ۶۹،

ہین نفس حواس کی وساطت سے معلومہ صورتون کو قبول کرتا ہے، اس بناپر کہا جا سکتا ہے، کہ نفس "صورتہائے علمی" کے لئے ہیولی ہو بعینہٖ اس طرح جیسے جسم "صورتہائے صناعی" کیلئے ہیولی ہے، ہر جسم مختلف صورتین قبول کرتا ہے، چنانچہ پانی، آگ، ہوا، خاک، افلاک، کواکب وغیرہ جسم ہی کی مختلف صورتین ہین لیکن جسم کی یہ مختلف صورتین بغیر حرکت کے پیدا نہین ہوتین، اور اس سے قبل واضح کیا جا چکا ہے کہ جسم مین بذاتِ خود کوئی حرکت نہین ہوتی، لہٰذا ظاہر ہے کہ جسم کو حرکت دینے والی ایک ایسی چیز ہے جسمین بذات خود حرکت ہوتی ہے، یہ بھی دکھایا جا چکا ہے کہ نفس ہی ایسی چیز ہے، جسمین حرکت ذاتی ہوتی ہے، اور یہ حرکت ارادی ہوتی ہے، لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ نفس جسم کو صورت دیتا ہے یعنی "نفس خداوندِ صنعت" ہی، پھر چونکہ جسم مین حرکت نہین ہوتی، اور نفس معدنِ حرکت ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ نفس جسم نہین[1]،

اس تمام لمبی چوڑی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم مین ایک جوہر ہے، جو بذاتِ خود زندہ ہے، اور مرنے والا نہین جس کی حرکت ذاتی ہے، جو مجرد صورتون کا مکان ہے، "خداوند صنعت" ہے، "دانش پذیر" ہے، جسم کی فنا کے بعد باقی رہنے والا ہے، اور جسم نہین، اسی جوہر کو ہم نفس کہتے ہین[2]،

(باقی)

---

[1] زاد المسافرین ص ۹۹، ۱۰۰، [2] ایضاً ص ۱۰۷،

گجراتی زبان اور اوس کی تاریخ،

(ماخوذ از تاریخ گجرات زیر ترتیب مولوی سید ابو ظفر صاحب ندوی،)

(۲)

زبان گجراتی کے قواعد، زبان اور قواعد ایک دوسرے سے جدا نہین کئے جا سکتے ہین، گرامر (قواعد) زبان کی کنجی ہے، اس مختصر مضمون مین ہم گجراتی زبان اور گجراتی لٹریچر کا ذکر کر رہے ہین اور اگر ہم اس کی گرامر کے متعلق کچھ لکھین تو بیجا نہ ہوگا، ابتدا مین گجراتی زبان کی کوئی گرامر نہ تھی، بہت پرانے زمانہ مین سدھراج جے سنگھ کے زمانہ مین ہیمچند نے گرامر لکھی تھی، لیکن وہ پرانی گجراتی زبان، یا اپابھرنسٹ کے لئے تھی، اس کا موجودہ گرامر سے بہت کم تعلق ہے، گجرات مین ہم توسیع تعلیم کیلئے پادریون یعنی (مشنریون) کے ممنون ہین، پرانی کتابون کو جمع کرنا، اور ان کی طباعت و اشاعت یہ سب اونھین لوگون کے محنت و مشقت کا نتیجہ ہے، گجراتی زبان کی سب سے پہلی گرامر بھی ایک انگریز مشنری کی محنت کا نتیجہ ہے، گجراتی ابجد کے حروف سنسکرت زبان سے لئے گئے ہین، پہلے حروف پر لکیر کھینچی جاتی تھی، جیسا کہ "دیوناگری" مین کرتے ہین، مثلاً آ گائے کالی چھے، (یہ گائے کالی ہے) الفاظ بھی جدا جدا نہین لکھے جاتے تھے، لکیر کھینچنے کی عادت رفتہ رفتہ غائب ہوتی گئی، لیکن بنیون کی اب تک یہ عادت ہے کہ وہ تجارتی حروف اور بہی کھاتون مین لکیر کھینچتے ہین،

گجراتی ابجد کے حرف علت اور صحیح حسب ذیل ہین، الفاظ،

اَ، آ، اِ، اُ، اُو، اے، اَے، او، اَو، اَم، اَہ،

حروف صحیح،

ک، کھ، گ، گھ، انگ، چ، چھ، جہ، جھ، نا، ٹا، ٹھ، ڈ، ڈھ، انا، ت، تھ، د، دھ، ڑان، پا، بھ، ب، بھ، ما،

یا، دا، لا، وا، سا، کھا، شا، با، جھ، بگیان،

حروف علت دو قسم کے ہین، طویل اور مختصر، اے، ائی، اُو، اَو، ام، اہ، مختصر حروف علت ہین اور باقی طویل ہین

گجراتی زبان کی شاعری،

گجراتی مین شاعری کا بھی بڑا حصہ ہے، اور پندرہوین صدی عیسوی سے لیکر آج تک بہت سے گجراتی کے شاعر پیدا ہوے ہین

گجراتی کے قدیم شاعرون کے نام نرسنیہ، میران اور بھالان ہین،

نرسنیہ کے شرنگار کے بعض مقامات قابل اعتراض ہین، اور میران کی نظمین زیادہ تر اخلاقی ہین،

میران اور نرسنیہ کا ایک اور ہمعصر بھالان نامی تھا، یہ گو اتنا مشہور نہ تھا، جتنا کہ وہ دونون تھے، تاہم وہ بڑا عالم تھا، ایسے زمانہ مین جب کہ ہندوستان کے کسی صوبہ کی زبان کو سنسکرت تصانیف کے ترجمہ کا فخر حاصل نہ تھا، بھالان نے سنسکرت کے مشہور و معروف، اوما، بانا، بھاٹ کی کادمبری، کا ترجمہ گجراتی نظم مین کیا تھا، اس مین کوئی شک نہین کہ سنسکرت نثر کا ترجمہ گجراتی نظم مین کرنا، بہت دشوار کام تھا، بھالان کی تصانیف بہت ہین،

اس عہد کے چند اور شاعر بھی ہین، مثلاً بھیما، (سنہ ۱۴۸۵ء) اور پدمنابھا، وغیرہ، پدمنابھا نے ایک تاریخی نظم لکھی ہے جسے کھانڈے پربندھ کہتے ہین، اور گجراتی لٹریچر مین بہت بے نظیر ہے، یہ تصنیف حال ہی مین دستیاب ہوئی ہے، اور شائع کردی گئی ہے، اس مین علاء الدین خلجی کا گجرات پر حملہ کرنا، کھانڈ کا اوس کو اپنے ملک مین سے گذرنے دینے سے انکار کرنا، اور اوس کے بعد جنگ کا ہونا، کھانڈ کے لڑکے ویرام اور شہزادی کے عشق کی ابتدا، اور فوجون کے کوچ کرنے کی تفصیلات، قیصر کا فتح ہونا، مسلمان عورتون کا اپنی شکست پر آہ وزاری کرنا، شہزادی فیروزہ کی ناکامی، یہ تمام واقعات تفصیل وار اور پُرجوش طریقہ پر بیان کئے گئے ہین، زبان بھالان سے زیادہ پرانی معلوم ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ تصنیف مقبول ہونے سے اس کی اصل شکل ایک دوسرے سے بیان کرنے مین گم نہ ہونے پائی، تصنیف حال ہی مین دستیاب ہوئی ہے[1]

[1] اس مین واقعات سب فرضی ہین، ابونظر،

سولہوین صدی کا زمانہ مقابلۃً ایسا زمانہ ہے، جسمین کوئی لٹریری تصنیف نہ تھی، سولہوین صدی گجراتی لٹریچر مین ضعیف ترین اور بدترین زمانہ ہے، لیکن اس کے بعد سترہوین صدی کا زمانہ گجراتی کی تاریخ مین بہترین زمانہ سمجھا گیا ہی، قناعت، اکھو، لا، پریمانند.............. اور شامل جیسے قصہ گو جیسے بڑے شاعرون نے اسی صدی مین ترقی کی ہے،

"اکھو احمد آباد کے ایک مالدار سنار (زرگر) نے سوسائٹی سے تنگ آکر اپنی تمام زندگی اصلی گرو" کی جستجو کیلئے وقف کردی، جب کبھی اور جہان کہین وہ سادھوون کی جماعتون مین گیا، اوس نے اوس کو ذلیل ترین حالت مین پایا، اور اوسے کوئی اصلی گرو نہ مل سکا، اس کی جو کچھ آرزو تھی، وہ یہ تھی کہ اوسے ایسا نیک اوستاد ہاتھ لگے، جو اوسے صحیح راستہ دکھائے، اور وہ اسی تلاش مین روانہ ہوا، بنارس اور الہ آباد کی جاترا کو جاتے ہوے راستہ مین اوس نے جے پور مین گوکل ناتھ کے یہان قیام کیا، جو وشنو کے ولبھ چاریا مندر کے سردار تھے، چونکہ مالدار تھا، اوس کی آو بھگت (خاطر تواضع) خوب ہوئی، لیکن یہ عالم بزرگ نقلی بادشاہون سے دھوکا نہین کھا سکتا تھا، اُس کی روحانی خواہشین تشنہ لب تھین، وہ وشنو نقطۂ نظر کے سادھوؤن سے واقف تھا، اوسے ایک قابل گرو کے ملنے سے مایوسی ہوئی، ایک دفعہ بنارس کے قریب ایک جھونپڑی مین اوس نے ایک سنیاسی کو صرف ایک ہی طالب علم کو ویدانتا فلاسفی کے اصول بیان کرتے ہوے سنا، ایک ایسے پوتر (مقدس) شہر مین جہان چھوٹے سے چھوٹا گرو بھی ایک سو چیلے جمع کرسکتا ہے، یہ بہت ہی غیر معمولی واقعہ تھا، اکھو تعلیم کے وقت جھونپڑی کی پتلی دیوارون کے پیچھے چھپ کر اُس کے لکچر (وعظ) کو بہت توجہ کے ساتھ سننے لگا، اس طرح سے کئی دن گذر گئے، اس کے شاگرد کا یہ معمول تھا، کہ پڑھنے والے کے الفاظ کا جواب گُن گُن کر یا سر ہلا کر دیدیا کرے، اور اس طرح سے اس کی ہمت افزائی ہو، اور اوسے یہ بتایا جائے کہ اوس کا شاگرد بیدار ہے، اور جو کچھ وہ کہہ رہا ہے اوسے وہ سُن اور سمجھ رہا ہے، اوس کی تمام کوششون کے باوجود یہ خاص سامع روز سوجایا کرتا تھا، اور چونکہ یہ ضروری تھا کہ پڑھنے والے کی دلچسپی کو قائم رکھا جائے، اکھو دیوار کے پیچھے سے اوس کا جواب دیدیا کرتا تھا، اس حرکت نے گرو کو چوکنا کردیا، اور تلاش کرنے پر اوس نے دیکھا کہ "اکھا" ہے، اُس سے اس عجیب حرکت کی وجہ دریافت کی گئی، اور

اوس نے جو کچھ واقعہ تھا، بیان کیا، اور درخواست کی کہ اوسے شاگرد بنالیا جائے، اپنی اس خواہش کے ثبوت مین اوس نے وہ تمام کتھا (قصہ) کہہ سنایا، جو اوس نے گذشتہ بارہ مہینون تک سنا تھا، سوامی کو اس کا یقین ہوگیا، کہ اوس سے اوس کو عقیدت بہت ہے، اوس نے اوس کو اپنا چیلہ بنالیا، اَکھا نے ویدانتک فلاسفی پر ملکہ حاصل کرلیا، احمد آباد واپس لوٹتے وقت وہ اپنے پرانے گرو، گوکل ناتھ سے جو ایک متمول وشنو مہاراج تھا، ملنے گیا، اس ملاقات سے اُس کا مقصد یہ دیکھنا تھا، کہ اب جب کہ وہ دنیاوی دولت سے جدا ہوچکا ہے، اور صرف تعلیم ہی کی دولت اوس کے پاس تھی، اوس کی آؤ بھگت کیسے ہوتی ہے، اُس کا خیر مقدم پہلے جیسا نہین کیا گیا، اور مہاراج نے تو اوسے پہچانا تک بھی نہین کہ وہ اَکھا ہی، اَکھا اس سے بہت ہی برہم ہوا اور اوس نے حسب ذیل نظم لکھی،

"مین نے گوکل ناتھ کو اپنا گرو بنایا، اور یہ ایسا تھا جیسے پُرانے بیل پر لگام لگانا، جو کھانا ضرور ہے، لیکن اس آنکس کا جواب نہین دیتا، جو اوسے لگایا جاتا ہی، گرو تمھاری دولت کو تم سے لے لیتا ہے، مگر تمھارے قلب کی بیچینی و بیقراری کا کوئی علاج نہین کرتا ہے، ایسے گرو سے کیا نیکی کا کام ہوسکتا ہے"،

وہ اس دنیا کی مکاری اور فریب سے تنگ آگیا تھا، اوس نے اس دنیا کو حقیقی ہستی کی تلاش کرنے کیلئے ترک کردیا، اوس نے بہت سے پارچے لکھے ہین، جن مین اوس نے دنیا اور اوس کے طریقون کے متعلق بہت سے مفید سبق سکھائے ہین، اوس نے ویدانتک فلاسفی کے اصولون کو نظم کرنے کی کوشش کی، جو دراصل ایک بہت مشکل کام تھا، اس کے مضمون کو نظم کرنے سے مشکل سے اوس کے طرزِ ادا مین کوئی دلفریبی پیدا ہوئی ہو، اوس کی زبان تو شستہ ہی نہ مسجع، اس کی زبان مین نزاکت و لطافت نہین ہے، اوسے زبان سے کوئی خاص انس نہین ہے، وہ نہین چاہتا تھا، کہ اوسی کوئی شاعر کہے، ۱۷۵۰ء اور ۱۸۴۰ء مین جو دور گجراتی کا ایک اور دور گذرا ہے، گجرات کی زبان اور لٹریچر کو گمنامی کی دلدل سے نکالنے والا دراصل وہی ہے، "نرسنہہ" کی طرح یہ بھی چودہ یا پندرہ سال کی عمر تک اَن پڑھ تھا، اسکا نام پریمانند تھا، ابتدا مین پریمانند اپنے مضامین کو ہندی زبان مین لکھتا تھا، ہندی اوس وقت کے زمانہ کے عالمون اور تہذیب یافتہ لوگون کی مانی ہوئی زبان تھی، اوس کے گرو رامچرن نے اوسے اپنی مادری زبان گجراتی مین نظمین لکھنے

کی ہدایت کی، یہ اوسے بہت ناگوار گذرا، اور اس وقت اوس نے یہ عہد کرلیا، کہ جب تک وہ گجراتی زبان "تجارتکے کی زبان" کے دھبے کو اپنی مادری زبان کے سر سے مٹا نہ دیگا، اور اوس کو ترقی نہ دے لیگا، سر پر پگڑی نہ رکھے گا، ان ایام مین برہمنون کے لئے پگڑی سر پر نہ رکھنا بہت بدتہذیبی تھی، پریمانند کو اپنی زبان کو ترقی دینے کا عشق ہوگیا تھا، اوس نے اپنے اس عہد پر ہر حالت مین پابند رہنے کا مصمم ارادہ کرلیا، جو کام پریمانند نے گجراتی لٹریچر کے لئے کیا، وہ آج تک بہت قیمتی اور بے نظیر ہے، اوس نے ایک ادبی مجلس قائم کی، اور خود اوس کا صدر بنا، اس مجلس کے ہر ایک ممبر کے ذمہ خاص کام تھا، ہندوستان کی ہر ایک زبان کی خصوصیات کو شامل کرنے کیلئے اوس نے ملکی زبانون کے مطالعہ کا کام اپنے جماعت کے چند چیدہ ماہرون کے سپرد کیا، چند عورتین بھی جو ہمدردی کا مادہ رکھتی تھین، اس مجلس کی ممبر تھین،

ان کام کرنے والون مین سے چھ اشخاص اپنا نام کرگئے ہین، ان مین سے ایک خود شاعر کا لڑکا ویرولبھ تھا، باپ اور بیٹے دونون کو اپنی مادری زبان کو ترقی دینے کا بہت ہی عشق تھا، ولبھ اپنے باپ کو اپنا گرو سمجھتا تھا، اور اپنی تصانیف کی افتتاحیہ نظمون مین شکریہ مین اس کا نام درج کرتا تھا، وہ اپنے اور گرو کی مدح سرائی اس قدر کرتا تھا، کہ وہ اوس کو نہ صرف ایک بڑا بلکہ افضل ترین شاعر کہتا تھا، "ولبھ" کے سپرد ہندی زبان کی خوبیون کو شامل کرنے کا کام تھا،

اس کے شاگردون مین سے دوسرا شاگرد "دنیشور" تھا، جو سنسکرت زبانون کے مطالعہ کرنے اور اس کی خصوصیات کو گجراتی زبان مین شامل کرنے مین مصروف تھا، اوس نے بعض سنسکرت تصانیف کا ترجمہ کیا ہے، مثلاً "اکھا" پریمانند بھی نہین چاہتا تھا، کہ لوگ اسے شاعر کہین، اوس نے اپنی نظمون مین کبھی اپنے کو شاعر نہین لکھا ہے، وہ اپنے کو سادہ طور پر صرف بھٹ پریمانند کہتا تھا، کہا گیا ہے کہ پریمانند نے اپنی آخری عمر مین (بھگوت گیتا) کا (دسوان باب) دساما اسکندھ اکے ترجمہ کرنے کا کام شروع کیا، چونکہ اوسے یہ اندیشہ تھا کہ اس کے قوا روز بروز کمزور ہوتے جاتے ہین، اور یہ کام ناتمام رہے گا، اس لئے اوس نے اپنے چار بہت زیادہ ترقی یافتہ شاگردون کو بُلا کر باقی حصہ کے ترجمہ کرنے کا کام اُن کے سپرد کیا، اُن کا امتحان لیا گیا، تمام شاگردون نے اپنے اپنے ترجمے شاعر کو پیش کئے، لیکن ترجمہ کے آخر مین، اُن مین سے ہر ایک نے سوائے "سُندر" کے اپنے تئین شاعر لکھا، کیونکہ اس وقت کے نظم لکھنے والون کی ہمیشہ یہی عادت تھی، "سُندر" کے حق مین فیصلہ ہوا، گو کہ اُس کا ترجمہ بہت

کم درجہ کا تھا، اس کے مشہور و معروف اوستاد کی دم مرگ وصیت ترجمہ کی تکمیل کا کام اس کے سپرد کیا گیا، اون ایام مین جیسا کہ آج بھی ہے، لیکن اتنی اچھی حالت مین نہین، پرانے پڑھنے والون کی جماعت تھی، جو گاگر یا بھٹ "یا "مان بھٹ" کہلاتی تھی، یہ پڑھنے والے برہمن ہوتے ہین، جو پڑھتے وقت تال دینے کے لئے ایک تنگ گلے کے تانبے کو جسے گاگر "یا "مان" کہتے ہین، بجاتے ہین، ایسی کتھا یا بیان شرحون اور مثالون کے ساتھ سادہ اور دلچسپ زبان مین بڑے مجمع کے سامنے گلیون مین پڑھا جاتا ہے، عوام پر ان کتھاؤن کا اثر بہت ہوتا تھا، ان پڑھ عوام کو پران کی تعلیم اسی طرح دیجاتی تھی، "مہا بھارت" اور "رامائن" کا جو کچھ تھوڑا بہت علم عوام کو ہے وہ "مان بھٹ" ہی کی شخصیت کا نتیجہ ہے، پریمانند، خود "مان بھٹ" تھا، وہ کتھا کے لئے نظمین لکھتا تھا، اور بڑے مجمع کے روبرو اونھین پڑھتا تھا، وہ مہا بھارت اور بھگوت سے مضامین انتخاب کر کے خود اپنے آکھیان یا کتھا نظم کرتا تھا، "راما یا گوا"، "آدکھا ہرن"، "نالاکھین" وغیرہ اس کی بعض اس قسم کی تصانیف ہین، جن کے مضامین پران کے کتھا مین سے انتخاب کئے گئے ہین، اس کی تمام تصانیف مین سے "نالاکھیان" بہت زیادہ مقبول عام تصنیف ہے، نہ صرف یہی کہ وہ مقبول عام ہے، بلکہ گجراتی شاعری کی تصانیف مین سے بہترین تصنیف ہے، جیتر مہینے مین "اوکھا ہرن" کے پڑھنے کی آوازین اگر ہر ایک گھر مین نہین تو قریب قریب ہر ایک قصبہ اور گاؤن مین سنائی دیتی ہین، مختلف مقامات سوسائٹی کے رسوم و رواج، حرکت کرنے والی اور غیر حرکت کرنے والی دونون چیزون کی تصویر لفظون مین کھینچنا، اور مردون اور عورتون کے کیرکٹر کی تشریح کرنے کے متعلق پریمانند کے جو بیانات ہین، وہ تمام تشبیہات اور استعارون سے جو بے حد اور انکلاز (بدائع) سے پُر ہین، اس مین اس کا کوئی ثانی نہین ہوا، اور وہ گجراتی زبان پر مستقل طور پر حکمرانی کرتا ہے، پریمانند کی زبان نہایت ہی شیرین اور نازک ہے، اب تک کوئی شخص اس کی طرز تحریر کی نقل اتارنے مین کامیاب نہین ہوا ہے، اوس نے خدا کی حمد اور بہت سے بزرگون کی تعریف مین نظمین لکھی ہین، اوس نے نرسنہ کی زندگی کے متعلق بہت کچھ لکھا ہو، پریمانند بہترین شاعرون مین سے اعلی درجہ کا شاعر ہے.

"سامل بھٹ" جو پریمانند کا حریف اور معصر تھا، ویلنگر کا (جسے اب گومتی پور کہتے ہین) جو احمد آباد کے قرب و جوار مین ہے، باشندہ تھا، بحیثیت شاعر کے وہ پریمانند کے مقابلے مین دوسرے درجہ کا شاعر ہے، یہ دونون شاعر

ایک دوسرے کے بڑے حریف تھے، پریمانند کی یہ عادت تھی، کہ وہ پرانے "پرانون" سے مضامین انتخاب کرتا تھا، اور سامل اپنی خود اپنی خیالی قصون کو نظم کیا تھا، ان دونون شاعرون کے درمیان ادبی بحث و مباحثے ہوا کرتے تھے، پریمانند خود توان مین حصہ نہ لیتا تھا، مگر اس کے لڑکے و لبھ کو ان سے بہت دلچسپی تھی، سامل ہی نے گجراتی لٹریچر مین قصہ نویسی کا طریقہ جاری کیا ہے، یہ بیجا نہ ہوگا، اگر ہم اوسے گجرات کا سوفٹ (SUFET) کہین، قصے ناول کے پیش خیمہ ہوتے ہین، سامل کے مضمون کی خواتین کا کیرکٹر نازک، عالمانہ اور ظریفانہ ہے، سامل کے قصون مین رقاصہ عورتون کا بہت کچھ حصہ ہے، وہ مذہبی جماعتون کے درمیان کوئی فرق نہین سمجھتا ہے، اور سوسائٹی کے آپس کے رشتون کی پروا نہین کرتا ہے، لیکن وہ اس قابل ہے، کہ اخلاقی قواعد کی سختی کے ساتھ پابندی کرے، ایک نبیا بغیر روک ٹوک کے کسی رقاصہ سے شادی کر سکتا ہو اور اوس پر بھی اس کے کیرکٹر اور چال چلن مین کوئی دھبہ نہین آتا، وہ اپنی چارون بیویون کا مساویانہ طور پر خیال رکھتا ہو اور وہ اس کی خدمت بہت ہی اچھی طرح کرتی ہین، چار بیویان آپس مین ایک دوسرے کو بہن خیال کرتی ہین، وہ مرد کی طرح بہادر اور نڈر ہوتی ہین، عورتون کے کیرکٹر مین مردون کی اصلی فطرت دکھائی گئی ہے، سامل کی عورتین گو جوان مین مگر بوڑھون کی سی عقل رکھتی ہین، اس کے مرد اور عورتون کے ویسے ہی جذبات ہوتے ہین، جب کہ وہ ایک دوسرے کے عاشق ہوتے ہین، اور اون کے عشق کا انجام یہ ہوتا ہے، کہ اُن کی شادی ہو جاتی ہے، اور وہ جب شادی کرتے ہین، تو یا تو محض ذوق کے خاطر یا حسن یا سچے عشق کی وجہ سے ایسا کرتے ہین، لیکن وہ اکثر والدین کی مرضی کے خلاف ایسا کرتے ہین، "انگذ دتی" "پدماوتی" "نند بتریسی" "سنہاسن بتریسی" یہ اسکی بعض بہت مقبول کتابین ہین، اس کی زبان سادہ ہے، لیکن بہت ہی پُر اثر ہے، اوس نے گجراتی زبان پر گہرا نقش چھوڑا ہے، اس کے "چھپّون" (ایسی نظم جسمین چھ مصرعہ ہوتے ہین) نے اوس کی یاد کو ہمیشہ کے لئے قائم کر دیا ہے، اوس کی طرز تحریر خود اوس کی طرز تحریر ہوتی ہے یعنی اوس کی زبان سادہ، مصرعے سادہ، نیک عادات کے متعلق سادہ کہانیان وہی سچا شاعر ہے، جو سادہ زبان مین تعلیم دے سکتا ہے ایک "الدار کپنی" مثیل رکھیلداس نام "سامل" کا مربی تھا،

اوس صدی کے چھوٹے چھوٹے شاعرون کی تعداد اس قدر تھی، کہ اُن کو نظر انداز نہین کیا جا سکتا، اٹھارہوین،

صدی کی ابتدا مین ایک شاعر گذرا ہے، جس کا نام دیرجمت تھا، اور جو مہا دیوی کا فدائی تھا، اوس نے تُسبھی چار ادھا کے نام سے بہت سے گربے لکھے ہین، وہ پڑھا لکھا نہ تھا، اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ مہا دیوی اس کے پُرخلوص عقیدت سے اس قدر خوش ہوئی، کہ اُس دیوی نے اپنی دیوی شکتی سے اُسے علم کی نعمت سے سرفراز کردیا، اُس صدی مین کوئی مشہور و معروف شاعر نہین ہوا ہے،

بھوجا بھگت نام ایک بھگت شاعر تھا، جو انیسوین صدی مین گذرا ہے، اس کا جنم پٹے دار یا کُنبی گھر مین ہوا ہے، جو علم سے بے بہرہ تھا، وہ بھگت تھا، اوس نے بہت سے صوفیانہ بھجن لکھے ہین، اوس نے اپنے زمانہ کے تمدنی رسم و رواج پر بہت ہی سختی سے نکتہ چینی کی ہو، ساحل کے پیچے پریتم داس کے باڑے نرسنگھ کے صبح کے ترانے (بھاتیان) اور بھجو کے بھجن بہت شہرت رکھتے ہین، اوس نے تجرد اور مکری کو بہت ہی بیدردی کے ساتھ بدنام کیا ہے، اوس کی زبان شہریون کی طرح شایستہ نہین ہے لیکن پرخلوص ضرور ہے، وہ نہ تو پڑھا لکھا تھا، نہ شایستہ مہذب تھا،

ایک اور شاعر گردھار ہے، وہ ۱۷۸۶ء مین پیدا ہوا، اور ۱۸۵۲ء مین مرگیا، راماین کو گجراتی زبان مین لکھنے والا وہی ایک مقبول شخص مانا جاتا ہے، اور اوس کی اس گجراتی زبان مین راماین کو بہت سے لوگ پڑھتے ہین،

سہجانند سوامی نے جو جماعت گجرات اور کاٹھیاواڑ مین قائم کی، اور (جو دراصل اجودھیا سے آئی تھی) گو وہ بہت پرانی جماعت ہے، لیکن دونون صوبون مین اس کے بہت زیادہ پیرو ہوگئے تھے، سہجانند کے عقیدے کے اس صدی مین بہت لوگ ملتے ہین، اور ان مین دو شخص برہمانند اور نشکولانند بہترین لوگون مین سے ہین، برہمانند کی قوالی کو آج بھی لوگ بہت ذوق و شوق کے ساتھ گاتے ہین، (باقی)

یادِ ایام

مولانا حکیم سید عبدالحئی صاحب مرحوم ناظم ندوۃ العلماء کی تاریخ گجرات جس مین وہان کے علماء و مشائخ اور علوم و فنون کی ترقیان بھی بیان کیگئی ہین، اب اوس کے دوبارہ اڈیشن مین مرحوم مصنف کی مختصر سوانح عمری کا بھی اضافہ کردیا گیا ہے،

حجم ۷۰ صفحے، قیمت عہ

"منیجر"

ایک یورپین اہل قلم کی زہرہ سرائی

خالد اور لیلی کا مفروضہ افسانۂ عشق،

از مولینا شاہ معین الدین احمد صاحب رفیق دارالمصنفین،

یورپین اہل قلم کا یہ نہایت قدیم اور خوشگوار مشغلہ ہے کہ جب وہ اسلامی تاریخ پر قلم اوٹھاتے ہین، تو ان کی باریک بین نظر عموماً اونھین بے سروپا افسانون اور مشتبہ واقعات پر پڑتی ہے، جنھین تھوڑی سی حاشیہ آرائی اور رد و بدل سے اسلام اور مسلمانون کے خلاف کوئی عمارت کھڑی کیجاسکتی ہو، اس خوشگوار مشغلہ کے ماتحت حال مین ایک اہل قلم مسٹر گرہیم نوئیس نے جو شرقیات پر ایک سلسلۂ مضامین ارقام فرما رہے ہین، ۲۷ اگست ۱۹۳۳ء کے السٹرٹیڈ ویکلی آف انڈیا مین ایک مختصر مضمون کے ساتھ اسلام کے فاتح اعظم حضرت خالد بن ولیدؓ اور ان کی فرضی معشوقہ لیلی کا ایک مرقع دیا ہے،

اس مرقع مین حضرت خالدؓ ایک نہایت آراستہ و پیراستہ کمرہ مین جو اپنی سجاوٹ کے اعتبار سے کسی مشرقی بادشاہ کا ایوان نشاط معلوم ہوتا ہے ایک مکلف کوچ پر تشریف فرما ہین، پیرون کے نیچے ایک نفیس پا انداز ہے، کمرہ کے دروازون پر نہایت مکلف پردے اور چھت مین قندیلین آویزان ہین، بخورات کا دھوان کمرہ کی فضا کو معطر کر رہا ہے، پاس ہی ایک [illegible] شاہی پیچوان لگا ہوا ہے، اور ایک منقش میز پر فواکہات اور (غالباً) شراب کی صراحی اور بلوری جام قرینے سے رکھے ہوئے ہین، اور خالد کے بالمقابل ان کی معشوقہ نیم استادہ ہے، اور دونون ایک دوسرے کو مست و مخمور نگاہون سے دیکھ رہے ہین،

اس مرقع کے نیچے ایک طویل نوٹ یا مختصر مضمون کی شکل مین اس مرقع کی تشریح ہے، اس کا خلاصہ آگے آتا ہے، پہلے مین مسٹر گرہیم کی اس خوش مذاقی کی داد دیتا ہون کہ اونھون نے ایک خشک اور جنگجو عرب سردار کو جو تہذیب و معاشرت کی نفاستون کا کیا ذکر ان کی ابجد سے بھی واقف نہین ہے، اور جس کی ساری زندگی میدان جنگ کے خارزارون مین گذری ایک آراستہ و پیراستہ کمرہ مین جو اپنی سجاوٹ اور سامان آرائش کے لحاظ سے جہانگیر کی بزم نشاط معلوم ہوتا ہے، بٹھا دیا ہے، صرف

اسی پر بس نہیں کیا، بلکہ ایک بحران بھی جس کا اس زمانہ میں وجود بھی نہ تھا، محض لطفِ مجلس کے لئے تازہ کر کے لگا دیا، اگر خالد کے بجائے اونھوں نے ہندوستان کے مغل فرمانرواؤں یا بغداد کے عباسی خلفاء میں سے کسی کو مرقع میں دکھایا ہوتا تو کچھ بھی جاتا، خالد کو اس رنگ میں دکھانا ایسا ہی ہے، جیسے مسیح کے کسی حواری کو ہوائی جہاز میں بٹھا کر پیرس کی سیر کرا دینا،

بہرحال اس کے نیچے جو تشریحی مضمون دیا گیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مسلمان مالک بن نویرہ خالد بن ولید کے ساتھ شریک جنگ ہے، پھر آپس میں بگڑ جاتی ہے، اور دونوں اپنی اپنی جماعت بنا کر ایک دوسرے سے لڑ جاتے ہیں، خالد مالک کو شکست دیکر مع اس کی حسین وجمیل بیوی لیلیٰ کے گرفتار کر کے قید کر دیتے ہیں، لیلیٰ شوہر کی رہائی کی سفارش لیکر خالد کے خیمہ میں آتی ہے، خالد اسکے حسن وجمال کو دیکھکر مسحور ہو جاتے ہیں، اور مالک کو قتل کر کے لیلیٰ کے ساتھ شادی کر لیتے ہیں، اور اس فریفتگی کے نتیجہ میں عکبرا کے معرکہ میں شکست کھا جاتے ہیں،

اس افسانہ کو تقویت دینے کیلئے ایک اور افسانہ شامل کیا جاتا ہے، کہ لیلیٰ کی اسیری کے زمانہ میں ایک بدو سردار موجہ بھی اس کا شریک قید ہے، بدو اس کے چھڑانے کو آتے ہیں، اور لیلیٰ کو قتل کر ڈالنا چاہتے ہیں، لیکن موجہ لیلیٰ کے تیرِ عشق کا نشانہ بن چکا ہے، اس نے بدوؤں کو روک دیتا ہے، اور لیلیٰ کی شمع جمال سے نظر افروزی کے لئے قید کو رہائی پر ترجیح دیتا ہے، رفتہ رفتہ لیلیٰ کے حسن وجمال کا شہرہ دور دور تک پھیل جاتا ہے، اور اوس کے حسن وجمال پر عبد الرحمٰن (ابن ابی بکر) فریفتہ ہو جاتے ہیں، اور اسے حاصل کر کے اس میں اتنا محو ہوتے ہیں، کہ اپنی تمام بیویوں سے رُخ پھیر لیتے ہیں، اور لیلیٰ کو گھر کی ملکہ بنا دیتے ہیں، لیکن لیلیٰ اپنے مقتول شوہر کی یاد میں روز بروز نڈھال ہوتی جاتی ہے، اور اس کا سارا حسن وجمال رخصت ہو جاتا ہے، اس وقت عبد الرحمٰن کا طرزِ عمل اس کے ساتھ بدل جاتا ہے، اور اس کے ساتھ بے اعتنائی شروع کر دیتے ہیں، اور لیلیٰ اپنے گھر لوٹ جاتی ہے، اور بقیہ زندگی گوشۂ عزلت میں بسر کرتی ہے،

اس ضمنی افسانہ سے حسب ذیل نتائج مضمون نگار کے پیش نظر ہیں،

(۱) تاریخِ اسلام کا نامور سپہ سالار اور فاتحِ اعظم جو رسول اللہ صلعم کا صحابی ہے، اپنے ایک شریک جنگ سے لڑ جاتا ہے (۲) اور اوس کی بیوی کے حسن وجمال پر فریفتہ ہو کر شوہر کو قتل کر کے بیوی سے شادی کر لیتا ہے، (۳) اور ایک عورت کے حسن وجمال میں اپنے منصبی فرائض کو بھول جاتا ہے، اور عکبرا کے معرکہ میں اسے شکست ہوتی ہے، (۴) پھر ایک دوسرے صحابی

عبد الرحمٰن خالد کے رقیب بنتے ہیں، اور لیلیٰ پر قبضہ کر لیتے ہیں، (۵) لیکن ان کا عشق لیلیٰ کے ظاہری حسن وجمال پر تھا، اس لئے جب اوس کے حسن پر زوال آتا ہے، تو عبد الرحمٰن کا عشق بھی زائل ہو جاتا ہے، اور لیلیٰ ان کی بے اعتنائی سے دل شکستہ ہو کر بقیہ زندگی عزلت میں بسر کرتی ہے، اس طرح ایک حسین عورت کی زندگی دو مسلمانوں کی بوالہوسی سے برباد ہو جاتی ہے،

لیکن اوپر کے واقعات میں سے ایک واقعہ بھی صحیح نہیں ہے، بعض تو بالکل بے بنیاد ہیں، بعض میں کسی قدر واقعیت ہے لیکن انہیں مسخ کر کے بہت بدنما بنا دیا گیا ہے، بعض غلط مقدمات قائم کر کے اس سے غلط نتائج نکالے گئے ہیں، اور بعض مختلف واقعات کو محض بدنما بنانے کیلئے باہم ملا دیا گیا ہے، اب ان سب کی حقیقت ملاحظہ ہو،

مالک بن نویرہ جس پر اس افسانہ کی ساری عمارت کھڑی کیجاتی ہے، درحقیقت مقتول ہونے کے وقت مسلمان ہی نہ تھا، اور اگر تھا بھی تو خالد کے علم ویقین میں نہ تھا، اسکی تاریخ یہ ہے، کہ وہ بنی حنظلہ کے سرداروں میں تھا، آنحضرت صلعم کے آخری زمانہ میں مشرف باسلام ہوا، آپ نے اس کے رتبہ اور اعزاز کو برقرار رکھنے کیلئے بنی حنظلہ کا محصل زکوٰۃ وصدقات مقرر فرما دیا، اور وہ اپنے قبیلہ سے صدقات اور زکوٰۃ وصول کر کے مدینہ بھیجتا تھا، (اصابہ ج ۵ ص ۳۶)

اس کے قبول اسلام کے سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مالک ان مسلمانوں میں نہ تھا، جو اسلام کے ضعف اور غربت کے زمانہ میں اسلام لائے تھے، بلکہ اوس کا شمار مؤلفۃ القلوب یعنی ان مسلمانوں میں تھا، جو اوس زمانہ میں مسلمان ہوئے، جب بغیر اسلام قبول کئے ہوئے کوئی چارۂ کار باقی نہ رہ گیا تھا جیسا کہ خود اس نے ایک موقع پر جسکا ذکر آگے آئیگا اُس نے اپنی تاخیرِ اسلام کا اعتراف کیا ہے،

قبولِ اسلام کے بعد چند دنوں تک مالک بن نویرہ بنی حنظلہ کے صدقات بھیجتا رہا، آنحضرت صلعم کی وفات اور حضرت ابو بکرؓ کی مسند نشینی کے بعد جب ارتداد کا فتنہ اوٹھا، اور مرتد قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا، اوس وقت مالک بن نویرہ نے بھی زکوٰۃ بھیجنی بند کر دی، بظاہر نظر یہ سوال ہوتا ہے کہ اوس نے تنہا زکوٰۃ بند کی تھی، لیکن اسلام پر قائم رہا ہوگا، لیکن اولاً اس کی کوئی صورت نہیں، اسلام کے ہر رکن کا انکار اسلام کا انکار ہے، اسی لئے حضرت ابو بکرؓ نے منکرین زکوٰۃ اور مرتدین میں کوئی فرق نہیں کیا، اور دونوں کے خلاف یکساں جہاد کیا، لیکن مالک کے متعلق حافظ ابن حجر نے بہ تصریح لکھا ہے، کہ اوس نے زکوٰۃ وصول کرنی بند کر دی اور اپنے قبیلہ والوں سے صاف صاف کہدیا کہ مجھکو زکوٰۃ وصول کرنے سے کوئی تعلق نہیں، تم جانو تمہارا کام جانے اور جس قدر وصول شدہ

رقم اوس کے پاس جمع تھی، وہ اپنے قبیلہ مین واپس کردی، اور ان اشعار مین اپنے ارتداد کا اظہار کیا،

فقلت خذوا اموالکم غیر خائف ۔ ولا ناظر فیما یجئ من الغد

پس مین نے اپنے قبیلہ والون سے کہا کہ تم بلا خوف و خطر اور بلا کل کو سوچے ہوئے اپنا مال واپس لے لو،

فان قام بالدین المحوق قائم ۔ اطعنا و قلنا الدین دین محمد،

اگر کل کوئی اس بھاگے ہوئے دین کو لیکر پھر کھڑا ہوا، تو ہم مطیع ہو جائین گے اور دین محمدی کی صداقت کا اقرار کرلین گے،

اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ تنہا منکر زکوٰۃ ہی نہ تھا، بلکہ اسلام سے بھی برگشتہ ہوگیا تھا (دیکھو اصابہ ابن حجر جلد ۵ ص ۳۶)

مالک نے ارتداد پر بھی اکتفا نہین کی، بلکہ فتنہ ارتداد کے سلسلہ مین جب عرب کے بعض حصون مین مدعیان نبوت اٹھے، اور ام غام حتمی اور خیرہ سر عورت سجاح بنت حارث نے نبوت کا دعویٰ کیا، اور قبیلہ بنی ہذیل نے اس کا ساتھ دیا، اوس وقت مالک بھی سجاح کی دعوت پر اس کے ساتھ ہوگیا، (طبری ص ۱۹۱) سجاح نے مشہور مدعی نبوت مسیلمہ کذاب سے شادی بھی کرلی تھی، لیکن ایک ساتھ نبھ نہ سکی، ایک عورت اتنے بڑے دعوی کو کب تک نباہ سکتی تھی، اس لئے چند ہی دنون کے بعد وہ یہ تماشہ ختم کرکے اپنے قبیلہ مین لوٹ گئی، اس وقت مالک کو اپنے کئے پر بڑی پشیمانی ہوئی، اور وہ سخت گھبرایا (طبری ص ۱۹۱) اسکے بعد مورخین کے بیانات مختلف ہوجاتے ہین، بعض مورخین کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے، کہ مالک اسی حالت مین مارا گیا، چنانچہ مورخ بلاذری لکھتا ہے کہ خالد بن ولید جو فتنہ ارتداد کے استیصال پر مامور تھے، بہت سے قبائل کو مطیع بناتے ہوئے، بطاح اور بعوضہ بنی حنظلہ کی آبادیون مین پہنچے، اور ان سے لڑکر ان کی جماعت منتشر کی، اور مالک بن نویرہ مارا گیا، پھر مالک بن نویرہ کا تعارف کراتے ہین، کہ وہ رسول اللہ صلعم کی جانب سے بنی حنظلہ کے صدقات کا عامل تھا، رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد اوس نے کام چھوڑ دیا، اور بنی حنظلہ سے کہا تم جانو تمہارا کام جانے، اس روایت کے بعد دوسری روایت یہ لکھتے ہین کہ خالد کو بطاح اور بعوضہ مین کوئی نہین ملا، اس لئے مرتدین کی تلاش مین انھون نے تھوڑی تھوڑی فوج ادھر ادھر بھیجی، ایک دستہ ضرار بن ازور کی ماتحتی مین بھیجا، اس دستہ نے مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھ ایک جماعت کو گرفتار کرکے لایا، خالد نے اونھین قتل کرادیا، (بلاذری ص ۱۰۵)

اوپر کا بیان بلاذری کا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مالک حالت ارتداد یا کم از کم انکار زکوٰۃ کے سلسلہ مین مارا گیا

دوسری روایت طبری کی ہے، اوس کے مطابق، مالک سجاح کی واپسی کے بعد پشیمان ہوکر پھر مسلمان ہوگیا، لیکن جن اسباب کی بنا پر اور جن حالات مین دوبارہ وہ اسلام لایا وہ طبری ہی کے الفاظ مین سنو، وہ لکھتے ہین، کہ سجاح کی واپسی کے بعد جب مالک بن نویرہ کا کھیل بگڑ گیا، اوس وقت مالک نے اپنے قبیلہ کو یہ کہکر منتشر کردیا کہ ہم کو جب شروع مین اسلام کی دعوت دی گئی اوس وقت بھی ہم نے اوس کے قبول کرنے مین تاخیر کی، اور اس تاخیر سے ہم نے کوئی فلاح نہین پائی، مین نے اس پر غور کیا، مجھے نظر آرہا ہے کہ مسلمانون کے حالات بغیر سیاست برتے ہوئے ان کے موافق ہوجائین گے، اور جب بغیر سیاست برتے ہوئے کسی قوم کے حالات اس کے موافق ہوتے جارہے ہون، تو ان کا مقابلہ نہ کرنا چاہئے، اس لئے تم لوگ منتشر ہوجاؤ، اور اس امر (مذہب اسلام) مین داخل ہوجاؤ، (طبری ص ۱۹۲۴)

طبری اور ابن اثیر کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے، کہ مالک اپنی ناکامی کے بعد بھی برضا و رغبت اور تائب ہوکر اسلام نہین لایا تھا، بلکہ جب اوس نے دیکھا کہ مسلمان فتنہ ارتداد کے دبانے مین کامیاب ہوتے جاتے ہین، اور اس پر اڑے رہنا ہلاکت ہے، تو وہ ع کافر نتوان گشتن ناچار مسلمان شو کے اصول پر مسلمان ہوگیا،

بہرحال مالک کے دوبارہ اسلام لانے کی صورت مین بروایت طبری اس کے مقتول ہونے کا واقعہ یہ ہے، کہ جب خالد بن ولید فزارہ، غطفان اور اسد وطے وغیرہ کے قبائل سے نپٹے ہوئے بطاح پہنچے جہان مالک کا قبیلہ آباد تھا، اوس وقت مالک ان سب کو منتشر کرچکا تھا، خالد نے یہان پہنچکر مختلف سمتون مین فوجی دستے پھیلادئے اور ہدایت کردی، کہ جو لوگ اسلام نہ لائین، اونھین گرفتار کرلیا جائے، اور جو مزاحمت کرے اوسے قتل کردیا جائے، حضرت ابوبکر کی ہدایت تھی، کہ اسلامی فوجین جہان منزل کرین، وہان پہلے اذان دین، اگر مرتد قبائل سے اوس کے جواب مین اذان کی آواز آئے تو مسلمان ہاتھ روک لین اور اگر اذان کی آواز نہ آئے تو حملہ کردین، جو لوگ اسلام قبول کرلین ان سے زکوٰۃ مانگی جائے اگر وہ زکوٰۃ ادا کردین تو ان کا اسلام صحیح سمجھا جائے ورنہ اون سے جنگ کی جائے؛

بطاح مین اسلامی فوجین منتشر ہونے کے بعد ایک دستہ مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھ چند بنی ثعلبہ کو گرفتار کرکے خالد کے پاس لایا، لیکن ان قیدیون کے اسلام کے بارہ مین لوگون کی شہادت مختلف تھی، ابو قتادہ انصاری کی شہادت تھی کہ یہ لوگ مسلمان ہین، اور اونھون نے اذان دیکر نماز پڑھی ہے، لیکن دوسری شہادتین اوس کے خلاف تھین، رات کا وقت تھا، اس لئے

اس اختلاف کا فیصلہ خالد نے صبح تک کے لئے ملتوی کر دیا، اور جو لوگ گرفتار ہو کر آئے تھے، وہ قید کر دیئے گئے، رات کو ٹھنڈک زیادہ تھی، خالد نے قیدیوں کو سردی سے بچانے کیلئے فوج میں منادی کرا دی کہ ادفئوا اسراکم یعنی اپنے اپنے قیدیوں کو گرم کرو، دف کے معنی گرمی پہنچانے کے ہیں، اور بعض قبیلوں کی لغت میں دف قتل کے استعارہ میں بھی استعمال ہوتا تھا، اس لئے لوگوں کو غلط فہمی ہوئی، کہ قتل کرنے کی منادی ہے، اس غلط فہمی میں مالک اور ان کے چند ساتھی قتل کر دیئے گئے، خالد شور سن کر خیمہ سے باہر نکلے تو انھیں اس غلط فہمی کا علم ہوا، اس وقت بجز حسرت و افسوس کے اور کیا کر سکتے تھے، چنانچہ یہ کہکر خاموش ہو گئے کہ قضائے الٰہی کو کوئی نہیں روک سکتا، (طبری ص ۱۹۲۴، ۱۹۲۵)

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جو مورخین مالک کے دوبارہ اسلام لانے کے بھی قائل ہیں، وہ بھی اس کے غلط فہمی میں مارے جانے کے معترف ہیں، اس لئے عورت کو وجہ قتل قرار دینا قطعاً صحیح نہیں ہے، کسی مورخ یا ارباب سیر نے اس کا تذکرہ نہیں کیا ہے، بعض بڑے بڑے محدثین اور ارباب سیر پہلی یعنی حالتِ ارتداد میں مارے جانے کے قائل ہیں، حافظ ابن عبد البر کا بھی یہی فیصلہ ہے، اسی لئے اونھوں نے اپنی کتاب استیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں مالک کے حالات نہیں لکھے ہیں، مالک کے بھائی متمم کے حالات میں ضمناً صرف اسقدر لکھدیا ہے، کہ اون کے بھائی مالک کے حالتِ اسلام اور ارتداد میں مارے جانے کے بارہ میں اختلاف ہے، لیکن وہ خود حالتِ ارتداد ہی میں مارے جانے کے قائل ہیں، ورنہ مالک کے حالات ضرور لکھتے، جن جن ارباب سیر نے اس کے حالات لکھے ہیں، اونھوں نے موافق اور مخالف دونوں قسم کی روایتیں جمع کر دی ہیں، اس سے کم از کم مالک کا اسلام مختلف فیہ ضرور ثابت ہوتا ہے،

اب رہ گیا مالک کی بیوی کے ساتھ شادی کرنے کا سوال تو یہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا، ان کا یہ فعل نہ صرف یہ کہ قابل مذمت نہیں ہے بلکہ لائقِ ستایش ہے، اگر مالک کے حالتِ ارتداد میں مارے جانے کی روایت تسلیم کر لی جائے، تو ظاہر ہے کہ حضرت خالد کا مقصد اس شادی سے یہ تھا، کہ اس خاندان کو اسلام پر مضبوط کیا جائے اور مالک کے اثرات بد کا ازالہ کیا جائے اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ خالد ہی نے کیوں شادی کی کسی اور مسلمان کے ساتھ کیوں نہ کر دی، تو اوسے مالک کی بیوی کے رتبہ پر غور کرنا چاہئے، مالک بنی حنظلہ کا سردار تھا، اس لئے اس کی بیوی کے لئے سردار ہی سے رشتہ موزوں تھا جس کا اسلام نے ہمیشہ

کا لحاظ رکھا ہے اس لئے خالد نے اُسے اپنے حبالۂ عقد میں لینا مناسب سمجھا، بہر حال ان تاریخی حقائق نے خالد کے حسن و عشق کے افسانہ کو بالکل باطل کر دیا،

غالباً اس حسن و عشق کی کہانی کی بنیاد سرقسطہ کے ایک مسلمان مصنف ثابت بن عاصم کی کتاب الدلائل پر قائم کیجاتی ہے جس کو چوتھی صدی ہجری میں اندلس میں مرتب کیا گیا تھا اور جس کا مرتب شرابی تھا (معجم البلدان ذکر سرقسطہ) حافظ ابن حجر نے اس حکایت کو تردید کے لئے اپنی کتاب اصابہ میں نقل کیا ہے، اور اس کا بے بنیاد ہونا ظاہر کیا ہے، وہ حکایت یہ ہے کہ ثابت کہتے ہیں کہ جب خالد نے مالک کی حسین و جمیل بیوی کو دیکھا تو مالک نے بیوی سے کہا کہ تو نے مجھے مار ڈالا، یعنی میں تیری وجہ سے قتل کیا جاؤں گا، یہ روایت نقل کر کے حافظ ابن حجر اس کے متعلق اپنی رائے لکھتے ہیں کہ خالد نے کسی عورت کی وجہ سے مالک کو قتل نہیں کیا تھا، یہ ایک اتفاقی بات ہے کہ مالک کے سوء ظن کے بعد اس کے قتل کا واقعہ پیش آ گیا، (اصابہ جلد ۵ ص ۳۶)

اور اگر اس حکایت کی روایتی حیثیت معلوم ہو جانے کے بعد کسی کو اس کی صداقت پر اصرار ہو، تو بھی خالد پر کوئی الزام عائد نہیں ہوتا اسلئے کہ مالک نے ایک سوء ظن کا اظہار کیا تھا اتفاق سے مالک کے قتل کا واقعہ پیش آگیا اس سے حقیقۃً خالد کی بدنیتی کہاں سے ثابت ہوتی ہے؟

درحقیقت اس واقعہ کو بدنما بنانے میں مالک کے بھائی متمم کے دلدوز مرثیوں کو بڑا دخل ہے، متمم کو مالک کے ساتھ بڑی محبت تھی اس کی موت نے متمم کو دیوانہ بنا دیا تھا، اور اس عالمِ دیوانگی میں اوس نے مالک کے ایسے دردانگیز مرثیے لکھے کہ سننے والے بیقرار ہو جاتے تھے، اسی زمانہ میں حضرت عمرؓ کے محبوب بھائی حضرت زیدؓ یمامہ کی جنگ میں شہید ہوئے تھے، حضرت عمرؓ کو ان کی موت کا شدید قلق تھا، اس اشتراکِ غم کی وجہ سے حضرت عمرؓ متمم کے مرثیوں سے بہت متاثر ہوئے،

ایک مرتبہ متمم حضرت عمرؓ کے پاس آیا، حضرت عمرؓ نے اوس کی دردانگیز حالت دیکھ کر فرمایا، تم کو بھی اپنے بھائی کی موت کا کس قدر شدید قلق ہے، مالک نے کہا بعارضہ کی وجہ سے ایک آنکھ کے آنسو خشک ہو گئے تھے، مالک کے غم میں جب سے وہ اشکبار ہوئی ہے، آجتک آنسو نہیں تھمے، حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ غم والم کی آخری حد ہے، کوئی مرنے والے کا اتنا غم نہیں کرتا، اگر میں بھی شاعر ہوتا تو زید کا مرثیہ کہتا، متمم نے کہا کہ امیر المومنین اگر میرا بھائی بھی یمامہ کی جنگ میں شہید ہوا ہوتا، تو میں کبھی نہ روتا، اوس کی اس تعزیت پر حضرت عمرؓ کو بڑی تسلی ہوئی، (ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۲۷۵) متمم کے ان دلدوز مرثیوں نے حضرت عمرؓ کو اتنا متاثر کیا، کہ مالک کی بیوی کے ساتھ خالد کے عقد کا معاملہ حضرت ابوبکرؓ کے سامنے پیش ہوا، آپ نے رفعِ شر کے خیال

سے خالد کو اس کے علحدہ کرنے کا حکم دیا، یہ اصل واقعہ ہے جس کو آب ورنگ دے کر کیا سے کیا بنا دیا گیا ہے، بدؤون کے سردار موجہ کے عشق کا افسانہ بھی فرضی ہے، اور محض خالد کے افسانہ کو تقویت دینے کے لئے گڑھا گیا ہے، عکبرا کی جنگ کی شکست بھی بے بنیاد ہے، فتح وشکست کا سوال الگ رہا، اس نام کی سرے سے کوئی جنگ ہی نہین ہوئی، جن شاذ لڑائیون مین خالد کو عارضی شکست بھی ہوئی، وہ کسی عورت کی وجہ سے نہین بلکہ فطری تھی جہان اونھون نے بہت سے میدان سر کئے ایک آدھ مین شکست بھی کھا گئے

اس مضمون کا دوسرا ٹکڑا کہ مالک کی بیوی کے حسن وجمال کا شہرہ اتنا بڑھا کہ مدینہ مین عبد الرحمن بن ابی بکر اس پر فریفتہ ہوگئے، وغیرہ وغیرہ اس شکل مین جو مضمون نگار نے لکھی ہے، بالکل غلط ہے، لیلیٰ نامی ایک عورت سے عبد الرحمن کی محبت کا واقعہ بجلیات عرب مین ضرور ملتا ہے، لیکن اولاً وہ چندان قابل وثوق نہین ہے، اس لئے کہ یہ واقعہ زبیر بن بکار کی زبانی مروی ہے، (استیعاب ج ۲ ص ۴۰۵ واصابہ جلد ۴ ص ۱۰۶) زبیر بن بکار جاہلیت اور عرب کے اخبار وایام وحکایات اور کہانیون کے مصنف ہین[1]، وہ کوئی مستند مورخ، یا ثقہ محدث نہین ہین، ان کی روایات زیادہ تر ایام انساب عرب کے متعلق ہین، محدثین مین اون کا کوئی پایہ نہین، وہ واقدی اور مدائنی اور کلبی سے کچھ اونچے ہین، اونکے بیان مین بہت سی منکر روایتین بھی شامل ہوجاتی تھین، (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۱۳) ایسی حالت مین عبد الرحمن اور لیلیٰ کی محبت کی روایت پر پورا اعتماد نہین کیا جا سکتا تاہم اگر اسے صحیح بھی مان لیا جائے، تب بھی دونون واقعون یعنی جو مضمون نگار نے لکھا ہے، اور جو زبیر کے افسانہ مین ہے کوئی مناسبت نہین، عبد الرحمن کو جس لیلیٰ سے محبت تھی، وہ مالک کی بیوی نہ تھی، بلکہ ایک دوسری عورت تھی، معلوم نہین مضمون نگار نے مالک کی بیوی کا نام لیلیٰ کہان سے لکھی ہے، اس کا نام لیلیٰ کسی تاریخ مین نہین ملتا، طبری اور ابن اثیر وغیرہ نے ام تمیم لکھا ہے، اور اس کے باپ کا نام منہال تھا، اور عبد الرحمن کو جس عورت کے ساتھ محبت بیان کی جاتی ہے، اوس کا نام لیلیٰ اور اس کے باپ کا نام جودی تھا، دونون کے وطن بھی مختلف ہین، منہال کا وطن بطیحہ عراق تھا، اور جودی دمشق کا ایک عرب غسانی سردار تھا، ان دونون کو ایک لکھنا انتہا درجہ کی خیانت اور بد دیانتی ہے،

بہر حال عبد الرحمن اور لیلیٰ کی محبت کے واقعہ کی صحت کی صورت مین اس کا واقعہ یہ ہے کہ عبد الرحمن تجارت کے سلسلہ مین شام آیا جایا کرتے تھے، اسی زمانہ مین ان کی نظر لیلیٰ پر پڑ گئی، لیلیٰ بہت حسین وجمیل عورت تھی، عبد الرحمن کو اوس سے

[1] زبیر بن بکار کے لئے دیکھو تہذیب التہذیب، ابن ندیم اور ابن خلکان ویاقوت (معجم الادباء)

محبت ہوگئی، ان کی محبت حضرت عمرؓ کو بھی معلوم تھی، اس لئے جب شام پر فوج کشی ہوئی، تو آپ نے ہدایت کر دی کہ اگر لیلیٰ بنت جودی ہاتھ آئے تو عبد الرحمن کے حوالہ کر دی جائے، چنانچہ جب دمشق فتح ہوا تو لیلیٰ عبد الرحمن کو دیدی گئی، متقدمین مین زبیر نے صرف اسی حد تک یہ واقعہ لکھا ہے، (دیکھو استیعاب ج ۲ ص ۴۰۵) اور اس مین کوئی بدنمائی نہین ہے،

اس کے بعد جس قدر زمانہ گذرتا گیا، اس واقعہ کے آب ورنگ مین اضافہ ہوتا گیا، چنانچہ اصابہ مین اس کی یہ شکل ہوگئی، کہ لیلیٰ بنت جودی کے حاصل ہونے کے بعد عبد الرحمن کو اس کے ساتھ اتنی شیفتگی بڑھی، کہ اوس کو اپنی دوسری بیویون پر ترجیح دینے لگے، حضرت عائشہؓ نے عبد الرحمن کو اس پر ملامت کی، لیکن اونھون نے کوئی توجہ نہین کی، پھر کچھ دنون کے بعد عبد الرحمن کا طرز عمل لیلیٰ کے ساتھ بدل گیا، اور اوس پر زیادتی کرنے لگے، لیلیٰ نے حضرت عائشہؓ سے شکایت کی، اونھون نے عبد الرحمن سے کہا تم نے دونون حالتون مین افراط وتفریط سے کام لیا، (اصابہ ج ۸ ص ۱۹۰)

ابن اثیر جزری اس پر اوراتنا اضافہ کرتے ہین، کہ جب لیلیٰ نے حضرت عائشہؓ سے عبد الرحمن کی بدسلوکی کی شکایت کی، تو اونھون نے عبد الرحمن سے کہا کہ تم نے لیلیٰ کے ساتھ محبت اور نفرت دونون مین افراط اور تفریط سے کام لیا، یا تم اوس کے ساتھ منصفانہ سلوک کرو، ورنہ اوس کو اس کے گھر پہنچا دو، عبد الرحمن نے لیلیٰ کو اس کے گھر پہنچا دیا، (اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۰۶)

بہر حال تین کتابون مین یہ واقعہ تین طریقون سے ملتا ہے، اور ان مین جو اقدم ہی اس مین صرف محبت کا ذکر ہے، باقی محبت مین افراط وتفریط اور اوس کے بعد لیلیٰ سے بے اعتنائی، اور اس کے گھر پہنچانے وغیرہ کا کوئی ذکر نہین ہے، اس لئے یہ سب متاخرین کی حاشیہ آرائی معلوم ہوتی ہے، بہر حال اگر ان مین سے پہلا صحیح مانا جائے، جو تقدم زمانی کے اعتبار سے یقیناً سب مین زیادہ مستند ہے، تب تو کوئی اعتراض کی گنجایش ہی نہین رہ جاتی، عبد الرحمن کو ایک عورت سے محبت ہوئی، اور اوس کے ساتھ اُنھون نے شادی کر لی، اس مین کوئی مذہبی یا اخلاقی قباحت نہین ہے، اور اگر آخری روایت بھی صحیح مان لی جائے، تب بھی عبد الرحمن پر کوئی مذہبی الزام عائد نہین ہوتا، ان کو ایک عورت سے محبت تھی اس کے ساتھ اونھون نے شادی کر لی، لیکن پھر کسی سبب سے نبھ نہ سکی، اور پہلی محبت باقی نہ رہی، اور اپنی بہن کے کہنے پر لیلیٰ کو اس کے گھر پہنچا دیا،

تلخیص و تبصرہ

برطانوی انجمن ترقی سائنس کا سالانہ اجلاس

برطانوی انجمن ترقی سائنس کا سالانہ اجلاس ۶ ستمبر ۳۳ء کو لیسٹر (انگلستان) مین منعقد ہوا، اس کے صدر سر فریڈرک ہاپکنس (Sir Frederick Hopkins) تھے، اس اجلاس کی متعدد نشستین ہوئین جنمین مختلف ماہرین سائنس نے اپنے جدید خیالات اور نظریے پیش کئے، اس اجلاس مین تقریبًا تین ہزار سائنس دانون نے شرکت کی، اس اجلاس کی مختصر روداد، اور خطبون کے مختصر خلاصے شائع ہوئے ہین، جنھین ذیل مین ملخص پیش کیا جاتا ہے،

صاحب صدر نے اپنے خطبہ کے آخری حصہ مین علم الحیوان (Biology) کی اہمیت پر زور دیا، اور بتایا کہ بہبود انسانی سے اس کا کیا تعلق ہے، اور اس امر پر افسوس کا اظہار کیا، کہ آج کل جو کتابین سائنس پر شائع ہوتی رہتی ہین، اُن مین سے اکثر و بیشتر مین علم الحیوان کا یا تو ذکر ہی نہین آتا، یا اگر آتا بھی ہے، تو محض نام کیلئے اس علم کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے صدر موصوف نے فرمایا، :-

"مرحوم سر الفرڈ فیچو نے جنکی وفات سے قوم گذشتہ سال ایک روشن خیال صاحب فکر سے محروم ہو گئی ہے، اپنے اس قول سے لوگون کو حیرت مین ڈال دیا تھا کہ ہم مادی حد تک امن و ترقی حاصل کر سکتے ہین جس حد تک فن مملکت کے واقفین مین علم الحیوان کی حقیقت کی رہنمائی اختیار کرین، فن مملکت اور علم الحیوان کا باہمی تعلق اکثر سامعین کے لئے ایک نئی چیز تھا، چند سال ہوئے کیمبرج کے فلسفی ڈاکٹر براڈ (Broad) نے سائنس کی غیر مساوی ترقی پر افسوس کا اظہار کیا تھا، یعنی غیر نامیاتی (Inorganic) نیچر پر تو ہمین بہت کچھ قابو حاصل

ہو گیا ہے، لیکن علم الحیوان اور نفسیات سے ہم نسبۃً بے خبر ہین، بہر حال ضرورت ہے، کہ فرد اور مملکت دونون کی رہنمائی کیلئے علم الحیوان کی حقیقت پر آج بھی زور دیا جائے، اپنے پر مغز اور بلیغ خطبۂ صدارت مین سر الفرڈ ایونگ نے خاص طور پر زور دیکر ہمین یہ بتایا تھا، کہ انسان کے ہاتھ مین نیچر کی حکومت دیدی گئی ہے قبل اس کے کہ وہ اپنی ذات پر حکومت کرنا معلوم کرے، اسمین جو خطرات شامل ہین، موصوف نے ہمین اُن سے متنبہ کر دیا تھا، اور اس مین جو صداقت موجود ہے، اس سے وہ حضرات ناواقف نہین ہین جنکی کوششون سے انسان نیچر پر روز بروز زیادہ قدرت حاصل کرتا جاتا ہے۔"

انجمن کے اجلاس کی ایک دوسری نشست مین جس مین تین ہزار سائنس دان موجود تھے، ایک ماہر سائنس مسٹر ڈفٹن (A. F. Dufton) نے اس دلچسپ نظریہ کا اعلان کیا، کہ جو لوگ اپنے والد کے سن کہولت مین پیدا ہوتے ہین، اون کی استعداد بہ نسبت دوسرے لوگون کے زیادہ اعلیٰ قسم کی ہوتی ہے، موصوف نے اپنا تجربہ اور مشاہدہ بیان کیا کہ جن والدین کی عمرین (۴۵) سال سے زیادہ تھین شہرت کے اعتبار سے اُن کے بچون کا تناسب دوسرے بچون کے مقابلہ مین دُوگنا تھا، اسی طرح ۵۰ سال سے زیادہ عمر والون کے بچون کا تناسب لیاقت اور شہرت کے لحاظ سے دس گنا، اور (۷۰) سال سے زیادہ عمر والون کے بچون کا پچاس گنا تھا، اس نظریہ کی جانچ کی غرض سے مسٹر ڈفٹن نے رائل سوسائٹی، اور پارلیمنٹ کے ممبرون، اور مدارس لندن کی اُستانیون کو خطوط لکھے تھے، ان سب کے جوابات کا خلاصہ یہی تھا، کہ ممتاز اشخاص کا بڑا حصہ انھی لوگون پر مشتمل ہے، جن کے والد اُن کی پیدایش کے وقت پختہ عمر کو پہنچ چکے تھے، چنانچہ اس نظریہ کی تصدیق مین موصوف نے حضرت اسحاق علیہ السلام کی مثال پیش کی اور بتایا کہ آپ کی پیدایش کیوقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر (۱۰۰) سال اور حضرت سائرہ کی (۹۰) سال تھی،

اسی طرح ڈاکٹر ہنری کیمبل Dr. H. Campbell نے اپنے خطبہ مین تعدد ازدواج کے مسئلہ پر سائنس کے نقطۂ نگاہ سے روشنی ڈالی، اور فرمایا کہ سردارون مین جو لوگ سب سے زیادہ شجاع اور ذہین ہوتے تھے، وہی سب سے زیادہ شادیان کرتے تھے، اور اپنے بعد سب سے زیادہ اولاد چھوڑ جاتے تھے، موجودہ تہذیب مین تعدد ازدواج کو قائم کرنے مین دقتین ضرور ہین، لیکن بہتر اولاد پیدا کرنے کے نقطۂ نظر سے اسکی حمایت مین بہت کچھ کہا جا سکتا ہے،

بڑے آدمیون کی بہت زیادہ لڑکیان شادی نہین کرتین، اور ممتاز اشخاص کی بہت بڑی تعداد لاولد مرجاتی ہے، کچھ عرصے لوگون کے قوائے ذہنی مین انحطاط نمایان ہو رہا ہے، جسکی وجہ یہ ہے، کہ جو لوگ دماغی حیثیت سے بلند ہین اُن مین اوسط پیدائش کم ہوتا جاتا ہے، اور جن کے قوائے ذہنی اعلیٰ نہین ہین، اُن مین بڑھتا جاتا ہے، ڈاکٹر ہرسٹ (HURST) نے اس رائے کی تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ ذہین خاندانون مین اوسط پیدائش کی روز افزون تخفیف کے باعث موجودہ تہذیب خطرہ مین ہے، موصوف کی رائے ہے، کہ حکومت کو اس معاملہ مین مداخلت کرنی چاہئے، اور ایسے خاندانون کیلئے وظیفے مقرر کردینے چاہئین، تاکہ جو ذہین بچے پیدا ہون، والدین اونکی پرورش کی طرف سے مطمئن ہو جائین،

"ع ز"

عہد حکومت ایوبیہ کی دو علامات قبر

پہلی صدی ہجری مین قبرون پر علامتین سنگ مرمر وغیرہ کی لمبی لمبی تختیون کی صورت مین قائم کی جاتی تھین، اسی لئے آج بھی ان کو لوح مزار کہا جاتا ہے، چنانچہ اس قسم کے چار ہزار لوح مزار دار الآثار عربیہ مین موجود ہین، جن مین ایک قدیم ترین لوح مزار ۳۱ھ کی اور دوسری ۷۱ھ کی ہے، چالیس لوح مزار دوسری صدی کے اخیر کی ہین، جن کی تاریخین [illegible] اور [illegible]، [illegible] سے لیکر سلطنت فاطمیہ کے آخری زمانہ یعنی ۵۶۷ھ تک ختم ہوتی ہین، اسی طرح اس دار الآثار مین بترتیب ہر سنہ کی ایک یا اس سے زیادہ لوح مزار ہے، جن سے خط کوفی کی ترقی کی تاریخ معلوم ہو سکتی ہے،

لیکن سلطنت فاطمیہ کے زمانہ مین لوح کے بجائے سنگ مرمر کے ستونون کا رواج ہوا، جن پر تحریرین یا تو کھودی جاتی تھین، یا اوبھرے ہوئے حروف مین لکھ دی جاتی تھین، چنانچہ دار الآثار عربیہ مین اس قسم کی قدیم ترین علامت قبر احمد بن علی بن حسن الھواری کی ہے جس کی تاریخ ۵۰۹ھ ہے، اس کے بعد اگرچہ لمبی لمبی تختیون کا رواج کلیتہً موقوف نہین ہوا، تاہم سلطنت ایوبیہ اور اوس کے بعد سلطنت ممالیک مین ستونون نے بہت زیادہ رواج پایا، اور اس قسم کے دو ستون جو [illegible] مین زمین کے اندر سے کھود کر نکالے گئے ہین، جن مین پہلا ستون ڈیڑھ میٹر اور بیس سنٹیمیٹر بلند ہے، اور اوس کا قطر تیس سنٹیمیٹر کا ہے، اور اوس کے ایک طرف ۱۳ سطرون مین خط نسخ ایوبی

مین یہ عبارت منقوش ہے:-

(۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم (۲) کل من علیھا فان ویبقا (کذا) (۳) وجہ ربک ذو الجلال (۴) والاکرام ھذا القبر (۵) المعتز بشبابہ الموخوذ (کذا) (۶) من بین اھلہ واترابہ الحسن (۷) الصورۃ الحسن السیرۃ (۸) الحسن السریرۃ الامیر الاجل (۹) زین الدین ابن الامیر المجاھد المرابط (۱۰) الحاج الی بیت اللہ حسام الدین (۱۱) الحاجب لولو توفی یوم الاحد (۱۲) ثالث عشر صفر سنہ ثمان تسعین (۱۳) و خمس مائۃ رحمہ اللہ ورحم من ترحم علیہ۔

دوسری طرف خط کوفی شجر کے اوبھرے ہوئے حروف مین ایک سطر مین یہ عبارت منقوش ہے، "الدائم الباقی اللہ" اس کے نیچے ایک ہار کے وسط مین ایک طاق لٹکا ہوا ہے، جس کے نیچے اسی قسم کے خط مین یہ عبارت ہے "الملک للہ"

دوسرے ستون کی بلندی ایک میٹر اور اسی سنٹیمیٹر کی ہے اور اس کا قطر ۲۰ سنٹیمیٹر ہے، اور اوس کے ایک طرف خط نسخ ایوبی کے اوبھرے ہوئے حروف مین ۱۷ سطرون کی یہ عبارت ہے:-

(۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم (۲) للہ العزۃ والبقاء ولہ (۳) ما ذرا وما برا وعلی خلقہ (۴) کتب الفناء وفی رسول (۵) اللہ اسوۃ وعزاء فمن کان (۶) یرجوا (کذا) لقاء ربہ فلیعمل (۷) عملا صالحا و لا یشرک (۸) بعبادۃ ربہ احدا، ھذا (۹) قبر الفقیر الی رحمۃ ربہ (۱۰) الزکی عبد الوھاب (۱۱) ابن عبد الکریم بن محمد (۱۲) بن الشحیون (؟) الدمشقی (۱۳) توفی ثالث ربیع الآخر (۱۴) سنہ ست وستمائۃ (۱۵) رحم اللہ من قرأہ (۱۶) ودعا لہ بالرحمۃ (۱۷) والمغفرۃ ولجمیع المسلمین،

دوسری طرف اوبھرے ہوئے خط کوفی مین دو سطرون مین یہ عبارت ہے:-

(۱) انعم المسکن (۲) لمن احسن۔

ان دونون کے نیچے ایک کھدا ہوا طاق ہے، جس کے نیچے خط ایوبی مین یہ آیت کھدی ہوئی ہے،

"کل نفس ذائقۃ الموت وانما توفون اجورکم یوم القیامۃ فمن زحزح عن النار وادخل الجنۃ

فقد فازو ما الحیوٰۃ الدنیا الامتاع الغرور

پہلے ستون کی تاریخ [illegible] اور دوسری کی [illegible] ہے، اس لئے یہ دونون سلطنت ایوبیہ کے زمانے کے ہین، اور بطور علامت قبر کے قائم کئے گئے ہین،

ان ہین پہلے ستونون پر فنی اور تاریخی دونون حیثیون سے بحث کیجا سکتی ہے، فنی حیثیت سے اس ستون مین دو قسم کی تحریرین ہین، ایک طرف تو نقاش نے تاریخی عبارت خط نسخ ایوبی مین لکھی ہے، اور دوسری طرف کو کوفی تحریر سے ترتیب دیا ہے، جسکی وجہ یہ ہے، کہ سلطنت فاطمیہ کے زمانے مین خط کوفی نے بڑی اہمیت حاصل کرلی تھی لیکن جب ایوبیون نے اون پر غلبہ پایا، تو سلطان صلاح الدین نے شیعیت کو مٹا کر صرف احیائے سُنت ہی نہین کیا، بلکہ اون کے طرز حکومت مین بھی بہت سی تبدیلیان کین، اور اوس کا اثر فنون لطیفہ تک پہنچا، اور خط کوفی مشجر خط نسخ ایوبی کی شکل مین بدل گیا،

لیکن اس ستون مین یہ دونون خط استعمال کئے گئے ہین، معمولی تحریرین تو خط نسخ ایوبی کا استعمال کیا گیا ہے اور زیب و زینت کا کام خط کوفی سے لیا گیا ہے،

تاریخی حیثیت سے اس ستون پر جو عبارت جنائزیہ اور تعظیمی القاب منقوش ہین، اون پر حسب ذیل نظر ڈالی جاسکتی ہے، پہلی صدی کی علامات قبر پر اس قسم کی جو عبارتین منقوش ہوتی تھین، اون سے توحید، رسالت، جنت و دوزخ و حشر و نشر وغیرہ کی تصدیق کا اظہار ہوتا تھا جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا، کہ متوفی مسلمان ہے، اور شریعت کے تمام اصول و عقائد کو مانتا ہے، لیکن جب فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور اسلام عام طور پر پھیل گیا، تو یہ طرز عبارت بدل گیا، اور اس قسم کی عبارتین منقوش ہونے لگین، جو متوفی کی مدح و ثنا، اور تعظیمی القاب پر بھی مشتمل ہوتی تھین، اور اون سے متوفی کے اعزہ و اقارب کو تسلی حاصل ہوتی تھی، سب سے پہلی علامت قبر جس پر اس قسم کے تسلی بخش الفاظ موجود ہین، دار الآثار عربیہ مین [illegible] کی موجود ہے،

اگر متوفی بچپن یا جوانی مین انتقال کرتا تھا، تو علامت قبر پر ایسی عبارتین منقوش کی جاتی تھین جن سے اوس کے

بچپن یا جوانی کا اظہار ہوتا تھا، مثلاً اللھم ان فلانا توفی طفلا علی فطرۃ الاسلام وھذا قبر النخر یشابہ اس کے بعد وکی اور اسکے والد کی مدح و ثنا ہوتی تھی، اور خوش قسمتی سے اس علامت قبر مین تعظیمی القاب ایسے شخص کے لئے استعمال کئے گئے ہین، جو تاریخی حیثیت سے بالکل گمنام ہے، البتہ اس کا باپ لولو حاجب ایک تاریخی حیثیت رکھنے والا آدمی ہے، اور مقریزی نے اوس کا تذکرہ کیا ہے، اور اوس کے حالات لکھے ہین،

دوسری علامت قبر پر بھی جو عبارت منقوش ہے، وہ خط نسخ ایوبی مین ہے، اور اس خط کی امتیازی خصوصیتین اوس سے صاف طور پر نمایان ہین، اور اوس کی عبارت جنائزیہ سے متوفی کی شان تقشف ظاہر ہوتی ہے، مثلاً الفقیر الی رحمۃ ربہ یا رحم اللہ من قرا ثم دعا بالرحمۃ وغیرہ فقرون سے ظاہر ہوتا ہے، کہ متوفی ایک زاہد و متورع شخص تھا، اگرچہ تاریخون مین اسکا تذکرہ نہین ملتا، اور اوسکی شہرت و گمنامی کا حال معلوم نہین ہوتا،

قرآن مجید کی جو آیتین اس پر منقوش ہین، اون سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ اون سے عمل صالح اور زہد و تقشف اختیار کرنیکی ترغیب ہوتی ہے، مثلاً فمن کان یرجو لقاء ربہ فلیعمل عملا صالحا و کل نفس ذائقۃ الموت وغیرہ آیتین ایک مناسبت خاص سے انتخاب کیگئی ہین، اور وہ مناسبت متوفی کی ذات سے تعلق رکھتی ہے، غالباً وہ صوفیہ مین سے ہونگے،

"ع"

چند الفاظ کی اصلیت

لفظ دپ کے مشتقات

دفتر، دبیر، دوات، دبستان، دیوان،

دفتر، دبیر، دوات، دبستان اور دیوان عربی، فارسی، ترکی، اور دوسری شرقی زبانون مین، بلکہ دبستان کو چھوڑ کر تقریب الفاظ ہماری زبان مین بھی مستعمل ہین، ہاینکہ ان لفظون کے متعلق یہ سمجھا جاتا تھا کہ ان مین سے ہر لفظ الگ مادہ سے مشتق ہے، اور بجائے خود مستقل ہے، عربی مین یہ تمام الفاظ یقیناً فارسی سے آئے ہین، مگر خود فارسی مین بھی انکی ٹھیک اصلیت کا پتہ نہین چلتا تھا، قدیم فارسی زبان کی تحقیقات اور علم لغت (فیلالوجی) نے جو ترقی کی ہے، اوس سلسلہ مین ان الفاظ کی اصلیت کا بھی پتہ چلا لیا گیا ہے، فارسی رسالہ ایرانشہر کے سال اول شمارہ مین اس پر ایک تحریر چند سال ہوئے شائع ہوئی تھی، اوس کی تلخیص درج ذیل ہے،

فارسی قدیم میں جو شاہان ہخامنشی کے زمانہ میں رائج تھی، "دیپ" کے معنی لکھنے اور خط کھینچنے کے تھے، اور یہ لفظ سنسکرت کے لپ اور لیپی کا مرادف تھا جن کے یہی معنی ہیں، داریوش (دارا) کے کتبوں میں اوسکو "دیپیس" لکھا ہے جس سے کتبوں کے خطوط مراد لیے گئے ہیں اگرچہ یہ خطوط خط میخی (مسماری) میں ہیں، جو لکھے نہیں گئے، بلکہ کھودے گئے ہیں، لیکن چونکہ اوس زمانہ میں دستور تھا، کہ خطوط کھود کر ان میں سونے کا پانی یا رنگ بھر دیتے تھے، اور اس طرح گویا خطوط کو دوبارہ لکھ دیتے تھے، اس لئے "دیپیس" کا لفظ خط اور نوشتہ کے معنی کیلئے مناسب تھا، جو داریوش نے استعمال کیا،

اب دیکھو دیپ سے کتنے الفاظ مشتق ہوتے ہیں،

۱۔ دفتر، یہ لفظ عربی نہیں بلکہ فارسی ہے، اور اسی دیپ سے نکلا ہے، قدیم یونانی مورخوں نے اسکو "دیفترا" اور "دفترا" لکھا ہے، کتزیاس ایک یونانی مورخ جو ۴۱۵ ق م میں گرفتار ہو کر ایران آیا، اور سترہ سال تک ایرانی دربار میں طبیب رہا تھا، اوس نے تاریخ ایران میں (جس کا بہت کم حصہ باقی رہ گیا ہے،) لکھا ہے، کہ ایرانی سلطنت کے سالناموں کو دفترا کہتے ہیں، مشہور یونانی مورخ ہیرودوٹ نے بھی لکھا ہے کہ یہ لفظ مغربی ایشیا میں کتاب اور خط کے معنی میں استعمال ہوتا تھا،

۲۔ دبیر (لکھنے والا) ابتداءً اوس شخص کو کہتے تھے، جو لکھنے سے آشنا ہوتا تھا، کیونکہ قدیم زمانہ میں لکھنا بہت عام نہ تھا، بعد میں جب لکھنے کا زیادہ رواج ہوا تو دبیر اوس کو کہنے لگے جو لکھنے کے علاوہ مضمون آفرینی پر بھی قادر ہو، (یعنی منشی) اور "دبیرستان" کے معنی مکتب کے ہیں، (مکتب کا مطلب وہ جگہ ہے، جہاں لکھنا سکھایا جاتا ہو،)

۳۔ دوات (لکھنے کا سامان) یہ غور کرنے کی بات ہے کہ عثمانی ترک دوات کو "دیوت" لکھتے اور پڑھتے ہیں جو اصل لفظ (دیپ) سے بہت قریب ہے،

۴۔ دبستان (مکتب) بعض ناواقف سمجھتے ہیں کہ دبستان، ادبستان یا ادبستان کا مخفف ہے، حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، دبستان اوس جگہ کو کہتے ہیں، جہاں لکھنا سکھایا جاتا ہو، اور اس طرح یہ "مکتب" کا مرادف ہے،

یہ نکتہ خیال میں رہنا چاہئے کہ قدیم زمانہ میں مدارس میں صرف لکھنا اور پڑھنا بتلایا جاتا تھا، کتاب نہیں ہوتی تھی، جس سے درس دیا جاتا، کیونکہ علوم بھی مدون و مرتب نہ تھے، اس لئے اگر کوئی شخص نوشت و خواند سے آشنا ہو جاتا، صاحب ہنر و صنعت سمجھا جاتا تھا، اسی بنا پر بعض قوموں میں ابتدائی مدارس کا ایسا نام موجود ہے، جس سے صرف لکھنے کے معنی ظاہر ہوتے ہیں،

۵۔ دیوان یعنی وہ جگہ جہاں تحریریں اور اوراق محفوظ رہتے ہوں، یہ الفاظ دیگر "دفترخانہ" شاہان ساسانی کے زمانہ میں حکومت کے دفترخانہ کو دیوان کہتے تھے، کیونکہ خراج، مالیات اور صادرات حکومت کے تمام دفاتر یہیں محفوظ رہتے تھے، بعد میں خود اون دفاتر اور اوراق کو دیوان کہا گیا، پھر اشعار کے مجموعہ کا یہی نام رکھا گیا، عربوں نے اس لفظ کو ایرانیوں سے لیکر مختلف مشتقات پیدا کئے، مثلاً دواوین اور تدوین، پھر لاطینی قوموں نے اوس کو عربوں سے لیکر دوان (Douane) کرلیا، جو فرانسیسی میں آج بھی ادارۂ کسٹم (چنگی کے محکمہ) پر اطلاق ہوتا ہے، پہلوی میں یہ لفظ "دیوان" (ادیوان) اور ارمنی میں "ادیان" ہے، فخری نے آداب السلطانیہ میں عربوں کے ایرانیوں سے دفترداری کے سیکھنے کا تذکرہ کیا ہے، (اس کے بعد فخری کی عبارت کا فارسی ترجمہ ہے اور حاشیہ پر فتوح البلدان بلاذری کے مطالعہ کی بھی سفارش کی گئی ہے،)

حضرت عمرؓ کے عہد میں ان دفاتر کے ادارہ یعنی محاسبات خارج و صادر (آمد و خرچ کے حسابات) کو دیوان کہتے تھے، جو آج کل کی وزارت مالیہ کے قائم مقام تھا، (شاید اسی بنا پر) عثمانی ترک بھی قدیم زمانہ میں وزیر مال یا مستوفی کو "دفتردار" کہتے تھے،

بعد میں جب خلافت مبدل بسلطنت ہوگئی اور ہر محکمہ وسیع پیمانہ پر قائم کیا گیا، تو سلطنت کے ہر ادارہ کیلئے ایک دیوان کی بنیاد رکھی گئی، مثلاً دیوان رسائل، دیوان کتابت، دیوان فوج، دیوان برید وغیرہ جو آج کل کے وزارت خانوں کی ابتدائی شکلیں تھیں، ان دائروں کا صدر صاحب دیوان کہلاتا تھا، اس طرح لفظ "دیوان" اپنے تنگ معنی (دفترخانہ) سے نکلکر حکومت کے ادارہ و محکمہ تک وسیع ہوگیا، عثمانی ترکوں نے قلم کے معنی میں اسی قسم کی تبدیلی کی ہے، پہلے دفترخانہ کو "قلم اوطہ سی" یعنی قلم و تحریر کا کمرہ کہتے تھے، کبھی کبھی "اوطہ سی" کا لفظ حذف ہوجاتا، اور صرف قلم دفترخانہ اور ادارہ کے معنی میں مستعمل ہوتا تھا، آج بھی کہتے ہیں "ازقلم می آیم بقلم می‌روم، فلاں در قلم مستخدم است،"

معارف: یہی لفظ **دیوان** ہے، جس کے معنی پہلے تحریروں اور یادداشتوں کے بحفاظت رکھنے کا مقام تھا، جس کو آج دفتر اور آفس کہتے ہیں، ہماری زبان میں اس کے معنی اوس صاحب منصب کے ہوگئے ہیں، جو سرکاری مالی کاغذات اور حسابی تحریروں کا ذمہ دار ہوتا ہے، یعنی جسکے متعلق مالیات کا حساب کتاب ہوتا ہے، آجکل کی اصطلاح میں اوسکو وزیر مال کہہ سکتے ہیں اور اسی ترقی کرکے بعض ہندو ریاستوں میں دیوان کے معنی مطلق وزیر کے ہوگئے ہیں، غور کیجئے کہ الفاظ کس طرح اپنا قالب اور چولا بدلا کرتے ہیں،

اخبار علمیہ

ترکی کی نئی یونیورسٹی

مانچسٹر گارجین کا نامہ نگار مقیم قسطنطنیہ لکھتا ہے کہ یکم اگست ۳۳ء کو استنبول کی ہفتاد سالہ یونیورسٹی جو دارالفنون کے نام سے مشہور تھی، توڑ دی گئی، اور اس کی جگہ ایک نئی یونیورسٹی قائم کی جا رہی ہے، پہلے یہ تجویز پیش کی گئی تھی کہ نئی یونیورسٹی انگورا میں قائم کی جائے لیکن بعد میں طے پایا کہ وہاں ایک دوسری یونیورسٹی قائم کی جائے گی، فی الحال قسطنطنیہ کے قدیم جامعہ کو توڑ کر اوسے از سر نو جدید اصولوں پر قائم کردیا جائے، چنانچہ اس جدید یونیورسٹی کو جدید اصولوں پر قائم کرنے کی خدمت ایک سوئس پروفیسر کو تفویض ہوئی ہے جو اپنا کام تین سال میں انجام دیں گے، اس یونیورسٹی کا مقصد نوجوان ترکوں کے لئے دنیا کے جدید علوم وفنون کے تمام فوائد مہیا کردینا ہے، اسمیں چار شعبے اور آٹھ صیغے رکھے گئے ہیں، وہ چاروں شعبے لٹریچر، سائنس، قانون اور طب کے ہیں، اور صیغے حسب ذیل تقسیم پر مشتمل ہیں،

(۱) انقلاب ترکی، (۲) معاشیات و عمرانیات قومی، (۳) جغرافیہ، (۴) ترکیات، (۵) نفسیات، (۶) علم کیمیا (۷) برقی علم حیل (۸) اسلامیات،

دینیات کا صیغہ جو قدیم یونیورسٹی میں تھا توڑ دیا گیا ہے، اور اوسکی جگہ اوس سے وسیع تر اسلامیات کا صیغہ قائم کردیا گیا ہے، ان کے علاوہ غیر ملکی زبانوں کا بھی ایک صیغہ ہے، اور جامعہ کے طلبہ کے لئے کم سے کم دو غیر زبانوں میں جو آج کل رائج ہیں، دستگاہ رکھنا ضروری قرار دیا گیا ہے، تقریباً پچاس غیر ملکی پروفیسر مقرر کئے گئے ہیں، انگریزی اور جرمن زبان پر خصوصیت کے ساتھ زور دیا جائے گا، اور غیر ملکی زبانوں کی تعلیم ثانوی مدارس میں بھی جاری کیجائے گی،

ان ترمیمات کی بناپر قدیم یونیورسٹی کے جو پروفیسر کثیر تعداد میں علحدہ کردئے گئے ہیں، ان سے مترجمین کی ایک جماعت قائم کیجا رہی ہے، یہ لوگ تمام دنیا کے علوم وفنون کی اعلی تصانیف اور یورپ کے جدید علوم کی بہترین درسی کتابوں کا ترجمہ جدید ترکی زبان میں کریں گے،

نسل انسانی کی قدامت

مسٹر آرتھر اسمتھ ووڈورتھ، مشہور انگریز ماہر انسانیات نے حال میں بین الاقوامی انجمن ارضیات، واشنگٹن کے سامنے بیان کیا ہے، کہ جنوبی مشرقی افریقہ کے علاقہ ٹنگانائیکا (Tanganyika) میں ڈاکٹر ریکی نے چند ماقبل تاریخ انسانی ہڈیوں کے جو ٹکڑے پائے ہیں، ان سے صرف اسی قدر نہیں معلوم ہوتا، کہ نسل انسانی کی موجودہ قسم بہت قدیم ہے، بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے، کہ انسان کی جائے پیدائش افریقہ ہی میں ہے، موصوف کی رائے ہے کہ نسل انسانی کی عمر دس لاکھ سال نہیں بلکہ دو کرور سال ہے، یہ دونوں رائیں ان خیالات کے خلاف ہیں جو ابتک اس مسئلہ میں قائم تھے، اب تک یہ خیال کیا جاتا تھا، کہ نسل انسانی کو انسانی یا نصف انسانی حالت میں آئے ہوئے تقریباً دس لاکھ برس ہوئے، ٹنگانائیکا کی انسانی ہڈیوں کی قدامت کا تعین بعض جانوروں کی ہڈیوں کی قدامت سے کیا جاتا ہے، یہ جانور اب ناپید ہیں، لیکن اون کی ہڈیاں انسانی ہڈیوں سے ملتی جلتی ہیں، مسٹر آرتھر کے نظریہ کی تائید ایک اور نظریہ سے بھی ہوتی ہے، جو ڈاکٹر جیمیو کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، قدیم نظریات کے رو سے انسان کی آفرینش یورپ یا ایشیا میں ہوئی ہے، ایک دوسرے سائنس دان گرگری میسن ماہر اثریات پنسلوینیا یونیورسٹی میوزیم (امریکہ) نے ایک بالکل مختلف نظریہ پیش کیا ہے، اون کو اس امر کی شہادت مل رہی ہے، کہ نسل انسانی کی ابتدا یورپ، ایشیا، افریقہ میں نہیں، بلکہ امریکہ میں ہوئی، انسانی شکل کے بندر جو ہانڈوراس (وسطی امریکہ) میں پائے جاتے ہیں، اور ٹارسیس ([illegible]) نامی ایک جانور کی ہڈیاں، جو ویومنگ (شمالی امریکہ) میں پائی گئی ہیں، یہ دونوں پروفیسر میسن کے خیال میں انسان سے ملتے جلتے ہیں، اور ممکن ہے کہ انسانی ارتقا کی ابتدائی کڑیاں ہوں، پروفیسر موصوف ان بندروں کے مطالعہ کے لئے وسطی امریکہ گئے ہوئے ہیں،

زحل پر نیا داغ

بحری رصد خانہ واشنگٹن کے نوجوان ہیئت دان مسٹر جان ولیس (John Willis) نے اب سے دو ماہ قبل ستارہ زحل کے خط استوا پر ایک بڑا سفید داغ دریافت کیا ہے، یہ داغ تقریباً بیس ہزار میل لمبا اور بارہ ہزار میل چوڑا ہے، اگرچہ یہ داغ ہمارے کرۂ ارض سے بہت زیادہ بڑا ہے، لیکن زحل کی وسعت کے لحاظ سے جس کے خط استوا کا طول پچھتر ہزار میل ہے، یہ وسیع خطہ زحل کی زردی مائل سطح پر محض ایک بڑے سفید دھبہ کی طرح معلوم ہوتا ہے، اس داغ کی دریافت کا فخر اوّل ایک برطانوی شخص ول ہے (Will. Hay) نامی کو ہوا تھا، لیکن اس تحقیق کی شہرت اسی وقت ہوئی جب ولیس نے بحری رصد خانہ واشنگٹن میں اسکو بطور خود دریافت کرکے تمام دنیا میں اس کا اعلان کیا،

سالمہ کی مقدار

انگریز ماہر طبیعیات مسٹر ایسٹن (Aston) نے سالمہ (Molecules) کی کثرت مقدار کے متعلق تخمینہ کیا ہے، کہ اگر ایک گلاس پانی کے سالموں پر کوئی ایسا نشان بنا دیا جائے، جس سے وہ پہچانے جا سکیں اور یہ پانی سمندر میں ڈال دیا جائے، تو اس کے سالمے بالآخر کرۂ ارض کے تمام آبی حصوں میں برابر برابر پھیل جائیں گے، اور پھر اگر کسی مقام سے ایک گلاس پانی نکالا جائے، تو اس میں اُن نشان شدہ سالموں میں سے دو ہزار سے زیادہ سالمے موجود ملیں گے

لکڑی کی شکر

پروفیسر ایرک ہیگ لنڈ (Prof. Erik. Haegglund) نے حال میں حکومت سویڈن کے سامنے لکڑی سے شکر پیدا کرنے کی ایک تجویز پیش کی ہے، جسمیں بیان کیا ہے، کہ ۱۵ لاکھ ٹن خشک لکڑی سے دس لاکھ ٹن شکر ہائڈروکلورک ایسڈ (نمک کا تیزاب) کے ذریعہ سے تیار ہو سکتی ہے، لیکن یہ شکر انسانوں کی

غذا میں استعمال نہیں کی جا سکتی، پروفیسر مذکور کی تجویز ہے، کہ اسکو ایسے چوپایوں کو کھلا سکتے ہیں، اور الکحل خمیر (YEAST) اور موٹر کا تیل بنانے میں استعمال کر سکتے ہیں،

غیر مرئی تار

نازک برقی سامان کی حفاظت کیلئے پلاٹینم کا ایک ایسا باریک تار بنایا گیا ہے جس کی دبازت انسانی بال کی دبازت کا تیسواں حصہ ہے، ایک انچ کی وسعت میں ایسے (۱۳۲۰۰) تار ایک دوسرے سے ملا کر رکھے جا سکتے ہیں، ایک پونڈ پلاٹینم میں (۲۵۱۰۰۰۰۰) فٹ لمبا تار تیار ہو جائے گا، یعنی اسکا طول کرۂ ارض کے نصف قطر سے بقدر ۴،۵۰۱ میل زیادہ ہوگا

بیخوابی کا علاج،

جرمنی کے ایک طبیب ڈاکٹر مارلوتھ نے اپنے ملک والوں کے لئے بیخوابی کے علاج کیلئے کچھ ہدایتیں شائع کی ہیں، جو ہر ملک کیلئے مفید ثابت ہونگی، یہ ہدایتیں بیخوابی کے مستقل مریضوں کے لئے نہیں ہیں، بلکہ صرف اُن کے لئے ہیں جنھیں خارجی اثرات کے باعث نیند نہیں آتی، ڈاکٹر موصوف نے حسب ذیل دفعات میں اس شکایت کے اسباب اور اسکو رفع کرنیکے طریقے بتائے ہیں،: مثلاً شور و غل کی آوازوں سے دور رہنا، سونے سے پہلے زیادہ نہ کھانا، سونے وقت دلچسپ قصوں کو نہ پڑھنا، کھیل تماشوں سے قوت متخیلہ کو برانگیختگی سے بچانا، فکر، رنج، غصہ یا دوسرے ترددات سے پرہیز کرنا وغیرہ، اسی طرح لکھتا ہے بیخوابی کا بہترین علاج یہ ہے کہ زندگی خوش اوقات طریقہ پر بسر کیجائے، یا اگر کتاب بہت زیادہ دلچسپ ہو تو شب میں نیند لانے کیلئے اُسوقت تک پڑھی جائے، جب تک کہ آنکھیں بند نہ ہونے لگیں، شام کو کافی ورزش کر لینے سے بھی شب میں نیند اچھی آتی ہے، اور نیند لانیکا ایک عمدہ طریقہ یہ ہے کہ بستر پر لیٹ کر اپنے بدن کو بالکل ڈھیلا کر دے اور آنکھ بند کرکے یہ خیال کرے کہ نیند آ رہی ہے، دوسری طرف فرانس کے ایک طبیب نے بیخوابی کی شکایت رکھنے والوں کیلئے ایک مختلف علاج پیش کیا ہے، اس کا خیال ہے کہ سوتے وقت اگر سر شمال کی جانب اور پیر جنوب کی طرف رکھا جائے، تو نیند بہت اچھی آتی ہے سبب یہ ہے کہ مقناطیسی رو شمال سے جنوب کی طرف بہتی ہے، اور اس طرح سونے میں آسانی اور آزادی کے ساتھ جسم کے اندر سے گذر جائیگی، جس سے سکون اور آرام ملیگا، پیرس کے ایک اخبار کا بیان ہے کہ اس نظریہ کی اشاعت کے بعد عام طور پر لوگوں نے اس پر عمل شروع کر دیا ہے اور اس سے فائدہ محسوس کر رہے ہیں،

"ع ز"

ادبیات

مسجد نبوی میں نماز تہجد

(از حکیم الشعرا امجد حیدرآبادی)

وہ شہر پاک مدینہ، وہ پچھلی رات کا وقت
وہ زمزمۂ دل مسلم، بلالؓ کی آواز،

کسی کا نعرۂ صدق، وہ لا اِلٰہ اِلا ھُو
ہر ایک قال سے ظاہر وہ حال کی آواز،

وہ رات شرح گلیم سیاہ مُزمّل
وہ نور اس میں سراجاً منیرا کی تفسیر،

سیاہ پردۂ گردوں پہ دستِ قدرت نے
قلم سے نور کے کھینچی ہے نور کی تصویر،

یقین ہے دل کو کہ اب بالیقین دیکھتے ہیں
نظر ذرا سی جھپک پر ہے، کان آہٹ پر،

اُدھر وہ لب کا اشارہ کہ میری بات سنو
جھجک کے حسن کا کہنا، اِدھر بھی ایک نظر،

وہ پاک جلوۂ کل وَاذکُرِ اسمَ ربّکَ کا
وہ وقتِ خاص، وَتَبَتَّل اِلَیہِ تَبتِیلاً

نظر کے سامنے، مامورِ رَتِّلِ القُرآن
دعا وہ صدق سے مصداقِ اَقوَمُ قِیلاً

ہمیں تو کھلتے ہیں، اسرار سورۂ الحمد
خدا کی حمد، محمدؐ کے ساتھ ہوتی ہے،

یہاں نمازِ تہجد ہمیشہ ہوتی ہے،
مخاطبِ فَتَہَجَّد[1] کے ساتھ ہوتی ہے،

آہِ رسا

از جناب حفیظ ہوشیارپوری بی اے

رازِ سربستۂ محبت کہ زباں تک پہنچے،
بات بڑھ کر یہ خدا جانے کہاں تک پہنچے،

کیا نظر مست ہے تیرے حسن کا اللہ! اللہ!
جلوے آنکھوں سے اتر کر دل و جاں تک پہنچے،

[1] فتہجد بہ نافلۃ لک عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً۔

تیری منزل پہ پہنچنا کوئی آسان نہ تھا،
سرحدِ عقل سے گذرے تو یہاں تک پہنچے،

حیرتِ عشق مری حسن کا آئینہ ہے،
دیکھنے والے کہاں سے ہیں کہاں تک پہنچے،

کھل گیا آج نگاہیں ہیں نگاہیں اپنی
جلوے ہی جلوے نظر آئے جہاں تک پہنچے،

آہ! وہ حرفِ تمنا کہ نہ لب تک آئے،
ہائے وہ بات کہ رک رک کے زباں تک پہنچے،

کس کا دل ہے کہ سنے قصۂ فرقت میرا
کون ہے جو مرے اندوہِ نہاں تک پہنچے،

خلش انگیز تھا، کیا کیا تری مژگاں کا خیال
ٹوٹ کر دل میں یہ نشتر رگِ جاں تک پہنچے،

نہ پتہ سنگِ نشاں کا نہ خبر رہبر کی!!
جستجو میں تری دیوانے یہاں تک پہنچے،

نہ غبارِ رہِ منزل ہے، نہ آوازِ جرس،
کون مجھ رہروِ گم کردہ نشاں تک پہنچے،

صاف توہین ہے یہ دردِ محبت کی حفیظ،
حسن کا راز ہو، اور میری زباں تک پہنچے،

اسرارِ توحید

از مولوی حکیم امداد حسین صاحب توحید ندوی منشی فاضل اولی ہیڈ اورنٹیل ٹیچر گورنمنٹ ہائی اسکول سیالکوٹ

کہتے ہیں مجھے خموش رہتا ہوں میں،
چپ چاپ سبو بدوش رہتا ہوں میں،

دل دور تلاش میں نکل جاتا ہے،
(۱) پھر منتظرِ سروش رہتا ہوں میں،

موجیں اٹھتی ہیں، دل میں طغیانی ہے،
یارب میرا آس پاس برفانی ہے،

آہوں میں اثر عطا ہو، پگھلا دوں میں،
(۲) دنیا دیکھے یہ شعلہ افشانی ہے،

اسلام سے درگذر نہیں ہونے کا،
تم لاکھ کہو مفر نہیں ہونے کا،

ہے پیش اسمبلی میں قانونِ طلاق،
(۳) فطرت ہے اگر مگر نہیں ہونے کا،

آؤ کریں مل کے آشنا کی باتیں،
کچھ دل کی ہوں کچھ ہوں دلربا کی باتیں،

سنتا رہتا ہوں اُن کو مل جاتا ہے
(۴) کرتے رہتے ہیں جو خدا کی باتیں،

مطبوعاتِ جدیدہ

اسلامی عقائد اور اون کے ماخذ (بزبان انگریزی) از پروفیسر سید مظفر الدین صاحب ندوی ایم اے، اسلامیہ کالج کلکتہ، حجم ۱۴۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی، خوشخط ٹائپ مین، قیمت مجلد للعہ، پتہ:- جناب سید ظہیر الدین بی اے نمبر ۴ سید اسمٰعیل لین کلکتہ،

یہ رسالہ انگریزی زبان مین مسلم تھاٹس اینڈ اٹس سورس کے نام سے ہی، اس مین اسلام کے مختلف فرقون اور مسلکون، معتزلہ اور اشاعرہ وصوفیہ، اور فلاسفہ کے عقائد اور خیالات متعلقہ اور سلیس انداز مین بیان کئے گئے ہین، نیز دلائل سے اون مستشرقین کی تردید کی گئی ہی جنھون نے اسلام اور اسلامی فرقون پر دوسرے مذاہب اور دوسرے غیر مسلم گروہون کے عقائد کی خوشہ چینی کا الزام لگایا ہی، امید ہے کہ یہ کتاب ہندوستان کی انگریزی تعلیم یافتہ جماعت کے سنجیدہ علمی حلقون مین وقعت کی نگاہ سے دیکھی جائیگی، کتاب کی قیمت کسی قدر کم رکھی جاتی تو مناسب تھا،

چہار مقالہ (فارسی) تالیف نظامی عروضی، ناشر رام نراین لال، کٹرا روڈ، الہ آباد، حجم چھوٹی تقطیع کے ۱۴۲ صفحے، لکھائی چھپائی خوشخط ٹائپ مین، قیمت مجلد عہ

نظامی عروضی کی چہار مقالہ، محمد بن عبد الوہاب قزوینی کے وسیع وطویل حواشی کے ساتھ ۱۹۰۹ء مین ایک ضخیم جلد مین گب میموریل کی جانب سے شائع ہوئی تھی، لیکن قیمت کی زیادتی اور نسخہ کے بآسانی دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے ہندوستان کے طلبہ کو اس کے عام بازاری نسخون سے کام لینا پڑتا تھا، مولوی محمد رفیع صاحب (فاضل دیوبند) شکریہ کے مستحق ہین، کہ قزوینی کے شائع کردہ نسخے مین سے محض اصل متن کو ایک مختصر کتابی شکل مین چھپوانے کا اہتمام کیا، اب وہی نسخہ سستے دام مین دستیاب ہوسکتا ہے، مولوی صاحب موصوف نے قزوینی کے تعلیقات مین سے اختلاف نسخ کے حصہ کو اس مین شامل کردیا ہی، اور ابتدا

مین دو مضمون کا دیباچہ لکھا ہی جسمین نظامی کے سوانح حیات اور چہار مقالہ کا سرسری تعارف ہی،

موازنہ ہلال وصلیب، مولفہ جناب محمد عبد السمیع خان صاحب نکہت، شاہجہان پوری، بی اے، حجم چھوٹی تقطیع کے ۲۰۷ صفحے، قیمت ۱۰ عہ، مولف سے بتوسط اسسٹنٹ سکرٹری انجمن اسلام ہارنبی روڈ، فورٹ نمبر ا بمبئی سے طلب کرین،

موازنہ ہلال وصلیب ہمارے نوجوان انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ کے ذہنی رجحانات مین خوشگوار تبدیلی پیدا ہونیکے آثار کے طور پر دیکھی جاسکتی ہی، اس رسالہ مین نوجوان مولف نے اسلامی تمدن اور یورپ پر اوس کے اثرات کو دلپذیر انداز مین پیش کیا ہے، اور اس سے مقصود یورپ کی موجودہ خیرہ کن تمدنی ترقیون سے بہوت مسلمانون کو بیدار کرنا ہے کہ آج یورپ مین علم وفن کے جو چکا چوند پیدا کردینے والے مناظر ہمین دکھائی دے رہے ہین، وہ ہماری ہی تعمیر کی ہوئی عمارت پر مزید نقش ونگار ہین، مولف نے اوس کو عیسائی دنیا کے ممتاز مورخین، لیبان، میکیب، ارنلڈ، جوزف ہیل اور اسکاٹ وغیرہ کی تالیفات سامنے رکھکر مرتب کیا ہے، اور اون کی شہادتون سے اسلامی تمدن کے برکات دکھائے ہین، کتاب آٹھ دس ابواب مین ہی جنمین تقریباً اسلامی مدنیت کے اکثر شعبون کا اجمالی خاکہ سامنے آگیا ہی،

افسانہ نواب جمیل الشان، از جناب عبد الرؤف صاحب عباسی اڈیٹر حق لکھنؤ، حجم ۱۰۰ صفحے، قیمت عہ، پتہ:- منیجر جدید برقی پریس اشتیاق منزل نمبر ۴۴ ہیوٹ روڈ، لکھنؤ،

"نواب جمیل الشان" لکھنؤ کے ایک وثیقہ دار نواب ہین، نوابی کے کارخانے بگڑ چکے ہین، پر آن بان ابھی تک قائم ہی، عیش ونشاط کے اوسی طرح دلدادہ ہین، مصاحبین کا جمگھٹ بھی رہتا ہے، پیری مین عشق کی سوجھتی ہی، لکھنؤ کی ایک طوائف کے گرویدہ ہوتے ہین، بدایون کے ایک سرکار دس رئیس سے مقابلہ ہوتا ہی، اسی ضمن مین نواب صاحب کے ایک ہم عمر عزیز خاص اور ہمنشین کے ساتھی نواب فیاض حسین سے تعارف ہوتا ہی، یہ بڑے داؤ پیچ کے آدمی نکلتے ہین ان مین اور پولیس مین خوب خوب دماغی مقابلہ ہوتا ہی اور حیا [illegible] اور سازشون کے عجیب عجیب دلچسپ واقعات سامنے آتے ہین جسمین لکھنؤ کی اس طوائف کی ذہانت کے دلچسپ مظاہرے بھی ہوتے ہین [illegible] بوالہوسی وہوسناکی کے نتائج بد سامنے آتے ہین، وہی طوائف درس نصیحت دیتی ہی اور فریب کار پر نواب آپ چالاک ہوجاتا ہی [illegible]

واقعات پر مبنی ہو انداز بیان ایسا دلچسپ ہے کہ نقل پر اصل کا گمان ہوتا ہے اس افسانہ پر مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی نے شروع میں دو تین صفحون میں دیباچہ لکھا ہے،

کیمیا گر اور دوسرے افسانے از جناب محمد مجیب صاحب بی اے آکسن حجم ۹۰ صفحے قیمت درج نہیں، پتہ منیجر صاحب جامعہ ملیہ بک ڈپو قرول باغ، دہلی،

جناب محمد مجیب صاحب نے اپنے اون افسانون کا مجموعہ جو وقتاً فوقتاً رسالون میں شائع ہوتے رہے ہین کیمیا گر اور دوسرے افسانے کے نام سے مرتب کیا ہو، ان مختلف افسانون مین معاشرتی زندگی کے کسی نہ کسی ایک خاص پہلو یا معاشرتی زندگی کے کسی ایک اصلاحی خیال کو کسی ایک مرتب واقعہ کی شکل مین پیش کیا ہو، اور یہی ان افسانون کی نمایان خصوصیت ہو، یون عمومی دلچسپی کے لحاظ سے بعض افسانے اچھے خاصے دلچسپ اور سبق آموز ہین، لیکن کہین پر محض اپنے اصلاحی خیالات سمجھانے کیلئے فسانہ مین اونکو اس اصرار اور تکرار کے ساتھ موضوع گفتگو بنایا ہو، کہ جمالیاتی پہلو غائب ہونیکے علاوہ شاید نظریاتی عنوان بحث بھی گم ہو کر رہ گیا ہو،

تاریخ الاسلام کا پہلا نمبر از جناب مولوی سید محمد میان صاحب دیوبندی، ناشر منیجر کتب خانہ اعزازیہ دیوبند،

ضخامت ۱۱۰ صفحے، حجم چھوٹی تقطیع کے، لکھائی چھپائی بچون کے مناسب، قیمت درج نہین،

مولف نے مختصر اسلامی تاریخ پر رسائل کا ایک سلسلہ طلبہ کیلئے لکھنا شروع کیا ہے، اوس کا یہ پہلا حصہ ہے، اس مین آنحضرت صلعم کی ہجرت تک کے واقعات بیان کئے گئے ہین، رسالہ درسی کتاب کے طور پر مکالمہ کی شکل مین قلمبند کیا گیا ہے، پھر ہر سبق کا خلاصہ چند سطرون مین دیدیا گیا ہے، رسالہ بچون کیلئے مفید ہوگا،

کلید عربی (پہلا حصہ) مولفہ مولوی قاری خلیل احمد صاحب لکھنوی (فاضل دینیات) حجم بہ ترتیب چھوٹی
و
کلید قرأت تقطیع کے ۹۰ و ۴۰ صفحے قیمت ہر ایک رسالہ ۳ر پتہ:- بشری بکڈپو نمبر ۳۱، کتابت خانہ اسٹریٹ امرتسر ودو مدرس،

مولوی قاری خلیل احمد صاحب نے عربی زبان کے سکھانے کیلئے انگریزی ریڈرون کے طرز پر کلید عربی کے نام سے اس کے چند حصے لکھے ہین جن مین کا پہلا حصہ پیش نظر ہے، اسمین جملون کے ذریعے عربی بنانے اور صرف ونحو کے مسائل مستحضر کرنیکی کوشش کیگئی ہو، اس پہلے حصہ مین ثلاثی مجرد صحیح کو استعمال کرایا گیا ہو، اور آخر مین نحو وصرف کے چند قواعد اور گردانین درج ہین،

کلید قرأت فن تجوید مین ہو، اس مین اولا قرآن مجید کو ترتیل سے پڑھنے اور فن تجوید کے حاصل کرنیکی ضرورت دکھائی گئی ہو، پھر اس فن کے عمومی قواعد سلیس انداز مین سمجھا کر بیان کئے گئے ہین،

"م"

ضمیمہ

تاریخ خطیب بغدادی،

ابو حنیفہ النعمان بن ثابت،

گذشتہ سے پیوستہ

از نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمٰن خانصاحب شروانی،

النعمانؒ بن ثابت، ابو حنیفہ تیمی، امام صاحب الرای، فقیہ اہل عراق، انس بن مالکؓ کو دیکھا، عطا بن ابی رباح نافع مولی ابن عمر، حماد بن ابی سلیمان، ہشام بن عروہ، علقمہ بن مرثد وغیرہم سے سماعت حدیث کی، عبد اللہ بن المبارک وکیع بن الجراح، یزید بن ہارون، ابو یوسف القاضی، محمد بن حسن وغیرہم نے اُنسے روایت کی، نسب کی بابتہ منجملہ دیگر مختلف روایتون کے امام صاحب کے پوتے اسمٰعیل بن حماد کی روایت ہے کہ ہم ابنائے فارس سے ہین، غلامی نے کبھی ہم کو مس نہین کیا (اہل البیت ادری بمافی البیت، شروانی)

ولادت ۸۰ھ، حلیہ میانہ قد، خوشرو، خوش لباس، عطر کا استعمال بکثرت کرتے کہ مکان سے برآمد ہونے پر فضا معطر ہو جاتی، نیک صحبت، بڑے کرم کرنے والے، اپنے بھائیون کے دلی غمخوار، خوش بیانی مین فائق، شیرین آواز، بلند ہمت

---

[1] واضح ہو کہ خطیب بغدادی نے امام صاحب کے حال مین پورے سو صفحے لکھے ہین، مضمون ذیل مین مذاق حال کے مناسب مضامین اقتباس کر کے لکھے گئے ہین (شروانی) [2] دیکھو اسکی تائید مین تذکرۃ الحفاظ امام ذہبیؒ جلد اول، تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر العسقلانی الجزء العاشر مرآۃ الجنان امام یافعیؒ، امام یافعی چار صحابہ کرام کی روایت کے قائل ہین، (شروانی)

علم

فقہ خاصکر سیکھی، حماد بن ابی سلیمان کے حلقۂ درس مین ان کے سوا کوئی اور استاد کے سامنے نہ بیٹھتا، دس برس انکی صحبت مین رہے، ایک موقع پر اپنی جگہ ان کو بٹھا کر حماد باہر گئے، یہ لوگون کے سوالون کا جواب دیتے رہے، ایسے مسئلے بھی آئے جو استاد سے نہ سُنے تھے، استاد کی واپسی پر مسائل مذکور خدمت مین پیش کئے جو ساٹھ تھے، استاد نے چالیس سے اتفاق کیا، بیس سے اختلاف، شاگرد نے قسم کھائی کہ ساری عمر حاضر رہونگا، چنانچہ استاد کی وفات تک ساتھ رہے، کل زمانۂ رفاقت اٹھارہ برس تھا، استاد کے بیٹے اسمٰعیل کہتے ہین کہ ایک بار والد سفر مین گئے اور کچھ دن باہر رہے، واپسی پر مین نے پوچھا، ابا جان! آپ کو سب سے زیادہ کس کے دیکھنے کا شوق تھا (ان کا خیال تھا کہین گے بیٹے کے دیکھنے کا) کہا، ابوحنیفہ کے دیکھنے کا، اگر یہ ہوسکتا کہ مین کبھی نگاہ ان کے چہرہ سے نہ اٹھاؤن تو یہی کرتا،

محمد بن فضیل عابد بلخی نے روایت کی ہے کہ ابوحنیفہ نے بیان کیا کہ مین امیرالمومنین خلیفہ منصور کے پاس گیا تو پوچھا تم نے علم کس سے حاصل کیا، مین نے کہا حماد سے انھون نے ابراہیم (نخعی) سے انھون نے عمر بن الخطاب، علی بن ابی طالب، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن العباس سے، منصور نے سنکر کہا، خوب خوب، ابوحنیفہ تم نے بہت مضبوط علم حاصل کیا، وہ سب کے سب طیبین وطاہرین تھے، سب پر اللہ کی درود،

دوسری روایت مین ہے کہ خلیفہ منصور سے عیسیٰ بن موسیٰ نے کہا کہ یہ (ابوحنیفہ) آج دنیا کے عالم ہین، پوچھا نعمان! علم کس سے حاصل کیا، جواب دیا، اصحاب عمرؓ سے عمر کا، اصحاب علیؓ سے علی کا، اصحاب عبداللہ سے عبداللہ کا، اور ابن عباس کے زمانہ مین اُن سے بڑھکر عالم روئے زمین پر نہ تھا،

اعمش نے ایکبار ابویوسف سے پوچھا تمہارے رفیق ابوحنیفہ نے عبداللہ کا قول عتق الامۃ طلاقہا کیون ترک کیا جواب دیا کہ اس حدیث کی بنا پر جو آپ نے بواسطہ ابراہیم و اسود عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ بریرہ جب آزاد کی گئین تو ان کو اختیار دیا گیا، اعمش یہ سنکر تعجب مین رہ گئے اور کہا ابوحنیفہ بہت زیرک ہین، ان ابا حنیفۃ لفطن،

عبادت وورع

عبداللہ بن المبارک کا قول ہے کہ مین نے کوفہ پہنچکر پوچھا کہ کوفہ والون مین سب سے زیادہ پارسا کون ہے؟ لوگون نے کہا ابوحنیفہ، ان کا یہ بھی قول ہے کہ مین نے ابوحنیفہ سے زیادہ کوئی پارسا نہین دیکھا، ما رأیت احدا

اورع من ابی حنیفۃ۔ تیسرا قول ہے کہ مین نے کسی کو ابوحنیفہ سے زیادہ پارسا نہین پایا، حالانکہ درون سے، مال و دولت سے اُن کی آزمایش کیگئی (اپنے زمانہ مین امام صاحب کے سب سے زیادہ عابد و پارسا ہونے کی تائید مین اور بھی متعدد قول خطیب نے نقل کئے ہین) سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ ہمارے وقت مین کوئی آدمی مکہ مین ابوحنیفہ سے زیادہ نماز پڑھنے والا نہین آیا، اُن کا یہ بھی قول ہے کہ وہ نماز اول وقت ادا کرتے تھے، ابومطیع کا قول ہے کہ مین قیام مکہ کے زمانے مین رات کی جس ساعت مین طواف کو گیا ابوحنیفہ اور سفیان ثوری کو طواف مین مصروف پایا، ابوعاصم کا قول ہے کہ کثرتِ نماز کی وجہ سے ابوحنیفہ کو لوگ میخ (وتد) کہنے لگے تھے،

شب بیداری و قرآن خوانی

یحییٰ بن ایوب الزاہد کا قول ہے کہ کان ابوحنیفۃ لاینام اللیل، ابوحنیفہ شب بیدار تھے، اسد بن عمرو کا قول ہے کہ ابوحنیفہ شب کی نماز مین ایک رکعت مین پورا قرآن ختم کر دیتے تھے، ان کے گریہ وزاری کی آواز سُنکر پڑوسیون کو رحم آنے لگتا تھا، ان کا یہ بھی قول ہے کہ یہ روایت محفوظ ہے کہ انھون نے جس مقام پر وفات پائی وہان سات ہزار کلام مجید ختم کئے تھے، ابوالجویریہ کا قول ہے کہ صحبتُ حماد بن ابی سلیمان ومحارب بن دثار وعلقمۃ بن مرثد وعون بن عبد اللہ وصحبتُ ابا حنیفۃ فما کان فی القوم رجل احسن لیلا من ابی حنیفۃ، لقد صحبتہ اشہرا فما منہا لیلۃ وضع فیہا جنبہ، مین حماد بن ابی سلیمان، محارب بن دثار، علقمہ بن مرثد اور عون بن عبداللہ کی صحبت مین بیٹھا ہون اور ابوحنیفہ کی صحبت مین بھی رہا ہون، مین نے اس جماعت مین کسی کو ابوحنیفہ سے بہتر شب گذار نہین پایا، مین مہینون ان کی صحبت مین رہا، اس تمام زمانے مین ایک رات بھی پہلو لگاتے نہین دیکھا، مسعر بن کدام کا قول ہے کہ مین ایک رات مسجد مین داخل ہوا، تو کسی کے قرآن پڑھنے کی آواز کان مین آئی، جس کی شیرینی دل مین اتر کر گئی، جب ایک منزل ختم ہوئی تو مجھ کو خیال ہوا کہ اب رکوع کرین گے، انھون نے ایک تہائی قرآن پڑھ لیا، نصف ختم کیا، اسی طرح پڑھتے رہے کہ کلام مجید ایک رکعت مین ختم ہو گیا، مین نے دیکھا تو وہ ابوحنیفہ تھے، خارجہ بن مصعب کہتے ہین کہ خانۂ کعبہ مین چار امامون نے پورا قرآن پڑھا ہے، عثمان بن عفان، تمیم داری، سعید بن جبیر، اور ابوحنیفہ، زائدہ کہتے ہین کہ ایک رات مین نے ابوحنیفہ کے ساتھ عشا کی نماز مسجد مین پڑھی

آدمی نماز پڑھ کر چلے گئے، ابو حنیفہ کو معلوم نہ ہوا کہ مین مسجد مین ہون، حالانکہ تنہائی مین ایک مسئلہ مین اُن سے پوچھنا
چاہتا تھا، انھون نے کھڑے ہوکر نماز مین قرآن مجید پڑھنا شروع کیا، مین انتظار مین کھڑا رہا کہ فارغ ہون تو مسئلہ
پوچھون، پڑھتے پڑھتے جب اس آیت پر پہنچے (فَمَنَّ اللّٰہُ عَلَیْنَا وَوَقٰنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ) تو اس کو بار بار
پڑھنا شروع کیا، اسی آیت کی تکرار مین صبح ہوگئی، یہانتک کہ مؤذن نے فجر کی اذان دیدی، یزید بن الکمیت جو برگزیدہ
لوگون مین سے ہین (وکان من خیار الناس) کہتے ہین، کہ ابو حنیفہ کے دل مین اللہ تعالیٰ کا خوف شدید تھا،
ایک رات امام نے عشا کی نماز مین سورۂ اذا زلزلت پڑھی، ابو حنیفہ جماعت مین تھے، جب نماز ختم کرکے آدمی چلے
گئے، تو مین نے دیکھا کہ ابو حنیفہ فکر مین غرق بیٹھے ہین، تنفس جاری ہے، مین نے دل مین کہا چپکے سے اٹھ چلو ان کے
شغل مین خلل انداز نہ ہو، چنانچہ قندیل روشن چھوڑ کر مین چلا آیا، اس مین تیل تھوڑا تھا، طلوع فجر کے وقت جب
مین مسجد مین پہونچا تو مین نے دیکھا کہ ابو حنیفہ اپنی داڑھی پکڑے کھڑے ہین، اور کہہ رہے ہین، یا من یجزی بمثقال
ذرۃ خیر خیرا و یا من یجزی بمثقال ذرۃ شر شراً، اجر النعمان عبدک من النار و ما
یقرب منہا من السوء وادخلہ فی سعۃ رحمتک، اے ذرہ بھر نیکی کا اچھا بدلہ دینے والے اور
اے ذرہ بھر برائی کا بدلہ دینے والے اپنے بندہ نعمان کو آگ سے اور اسکے لگ بھگ عذاب سے بچائیو، اور اپنی رحمت
کی فضا مین داخل کیجیو، مین نے اذان دی، آکر دیکھا تو قندیل روشن تھی اور وہ کھڑے ہوئے تھے، مجکو دیکھکر کہا
کیا قندیل لینا چاہتے ہو، مین نے کہا صبح کی اذان دے چکا، کہا جو دیکھا ہے اس کو چھپانا، یہ کہکر صبح کی سنتین پڑھین
اور بیٹھ گئے، مین نے تکبیر کہی تو جماعت مین شریک ہوئے، ہمارے ساتھ صبح کی نماز اول شب کے وضو سے
پڑھی، القاسم بن معین کا بیان ہے کہ ایک رات ابو حنیفہ نے نماز مین یہ آیت پڑھی (بل الساعۃ موعدھم
والساعۃ ادھی وامر) بلکہ ان کا وعدہ قیامت پر ہے، اور قیامت بڑی آفت اور بہت تلخ ہے، تمام رات
اس کو دہراتے رہے، اور شکستہ دلی سے روتے رہے،

عبادت شب اور کلام کی تلاوت کے متعلق خطیب نے اور بھی بہت سی روایتین لکھی ہین، نمونہ کے لئے

اوپر کے بیان کافی ہین، یہ بھی خیال ہے کہ ہم پست ہمت مردہ دل ان کو اپنے حال پر قیاس کرکے مبالغہ
اور بے اصل تصور نہ کربیٹھین،

قیس بن ربیع کا قول ہے کہ ابو حنیفہ پرہیزگار فقیہ محسود خلائق تھے، جو ان کے پاس التجا لیجاتا اس کے
ساتھ بہت سا سلوک کرتے، بھائیون کے ساتھ بکثرت احسان کرتے، انھی کا قول ہے کہ ابو حنیفہ مال تجارت
بغداد بھیجتے، اس کی قیمت کا مال کوفہ منگواتے، سالانہ منافع جمع کرکے شیوخ محدثین کے لئے ضرورت کی چیزین
خریدتے خوراک اور لباس غرض جملہ ضروریات کا انتظام کرتے اس سے جو روپیہ بچتا وہ نقد جملہ سامان کیساتھ
یہ کہکران کے پاس بھیجتے کہ "اس کو خرچ کرو اور سوائے اللہ کے کسی کی تعریف نہ کرو اس لیے کہ مین نے اپنے مال
مین سے تم کو کچھ نہین دیا، یہ اللہ کا تمھارے معاملے مین مجھ پر فضل ہے کہ تمھاری قسمت کا نفع ہوا، یہ وہ فیض ہے
جو اللہ تعالیٰ میرے ہاتھ سے تم کو پہنچاتا ہے، یہ ظاہر ہے کہ جو اللہ بخشے اس مین دوسرے کی قوت کا کیا دخل ہو سکتا
ہے" ابو یوسف کا قول ہے کہ ابو حنیفہ ہر سائل کی حاجت پوری کرتے تھے، ابو حنیفہ دربار کے عطیون سے ہمیشہ
بچتے رہے، خلیفہ منصور نے ان کو بدفعات تیس ہزار درہم دیئے، انکار مین بربھی کا اندیشہ تھا، کہا امیر المومنین مین بغداد
مین غریب الوطن ہون، اجازت دیجئے کہ خزانہ شاہی مین یہ رقم میرے نام سے جمع ہوتی رہے، منصور نے منظور کیا،
وفات تک یہ رقم خزانے مین رہی، بعد وفات جب منصور نے یہ حال سنا اور یہ بھی سنا کہ امام صاحب کی حفاظت
مین لوگون کے پچاس ہزار درہم امانت کے تھے جو بعد وفات بجنسہ واپس دیئے گئے، تو اس نے کہا ابو حنیفہ میرے
ساتھ چال چل گئے، امانت داری مسلم تھی، وکیع کا قول ہے، کان واللہ ابو حنیفۃ عظیم الامانۃ
وکان اللہ فی قلبہ جلیلا وکبیرا، واللہ ابو حنیفہ بڑے امین تھے، اللہ کی جلالت اور کبریائی ان کے
دل مین بھری ہوئی تھی، ان کا یہ بھی قول ہے کہ جب ابو حنیفہ اپنے بال بچون کیلئے کپڑے بناتے تو ان کی قیمت کے
برابر صدقہ کردیتے، اور جب خود نیا کپڑا پہنتے تو اسکی قیمت کی برابر شیوخ علما کے لئے لباس تیار کراتے، جب کھانا سامنے آتا تو
اول اپنی خوراک کی مقدار سے دونا نکال کر کسی محتاج کو دیدیتے، اصفائی معاملہ اس واقعہ سے معلوم ہوگی، ایک بار کپڑے

کے تھانون مین سے ایک تھان مین نقص تھا، اپنے شریک حفص کو ہدایت کی کہ جب یہ تھان بیچو تو اس کا عیب جتا دینا وہ بھول گئے، سارے تھان بک گئے، یہ بھی یاد نہ رہا کہ عیب والا تھان کسکے ہاتھ فروخت کیا، ان کو معلوم ہوا تو سارے تھانون کی قیمت خیرات کردی، خود حفص کے بیٹے علی نے یہ روایت کی ہے، ابن صہیب کا قول ہے کہ ابو حنیفہ اکثر یہ اشعار پڑھا کرتے تھے،

عطاء ذی العرش خیر من عطائکم — وسیبہ واسع یرجی وینتظر

انتم یکدر ما تعطون منکم — واللہ یعطی بلا من ولا کدر

عرش کے مالک کی بخشش تمھاری بخشش سے بہتر ہے، اور اس کا جود بہت وسیع ہے کہ سب اس کے امیدوار ومنتظر ہین، تمھاری بخشش کو تمھارا احسان جتانا مکدر کردیتا ہے، اللہ تعالیٰ کی عطا مین نہ احسان رکھنا ہے نہ کدورت۔

وفور عقل زیرکی اور باریک نظری

یہ عنوان خطیب نے مستقل قائم کیا ہے، عبد اللہ بن مبارک نے سفیان ثوری سے کہا کہ اے ابو عبد اللہ! ابو حنیفہ غیبت سے کسی قدر دور بھاگتے ہین، مین نے کبھی ان کو کسی کی غیبت کرتے نہین سنا، سنکر کہا، واللہ ابو حنیفہ کی عقل اس سے بڑھکر ہے، کہ وہ اپنی نیکیون پر ایسی بلا مسلط کرین جو ان کو فنا کردے، علی بن عاصم کا قول ہے کہ اگر ابو حنیفہ کی عقل روئے زمین کے آدھے آدمیون کی عقل سے تولی جائے تو اس کا پلہ بھاری رہیگا، خارجہ بن مصعب نے ایک موقع پر ابو حنیفہ کے ذکر کے سلسلے مین کہا کہ مین نے ایک ہزار علماء دیکھے ہین ان مین تین یا چار عاقل پائے، ان مین سے ایک ابو حنیفہ ہین، یزید بن ہارون کا قول ہے کہ مین نے بہت آدمی دیکھے کسی کو ابو حنیفہ سے زیادہ عاقل زیادہ فاضل اور زیادہ پارسا نہین پایا، محمد بن عبد اللہ انصاری کا قول ہے کہ ابو حنیفہ کی عقل ان کے کلام، ارادہ، نقل وحرکت سے عیان ہوتی تھی، کان ابو حنیفۃ یتبین عقلہ من منطقہ ومشیتہ ومدخلہ ومخرجہ،

ایک بار ابو حنیفہ خلیفہ منصور کے پاس گئے، حاجب ربیع نے (جسکو ان سے مخالفت تھی) کہا ابو حنیفہ حاضر مین جو خلیفہ کے دادا عبد اللہ بن عباس کی مخالفت کرتے ہین، ان کا قول تھا کہ قسم کھا کر انسان اگر ایکدن یا دو دن کے بعد استثناء کردے تو جائز ہے، یہ کہتے ہین کہ نہین وہی استثناء جائز ہوگا جو قسم کے ساتھ ساتھ کیا جاوے، ابو حنیفہ نے کہا، امیر المؤمنین! ربیع کا خیال فاسد یہ ہے کہ آپکی فوج پر آپکی بیعت کی پابندی نہین، اس لئے کہ وہ آپ کے سامنے عہد کرتے ہین، گھر جاکر اس سے استثناء کرلیتے ہین، لہذا بیعت کا حلف باطل ہوجاتا ہے، منصور یہ سنکر ہنس پڑا اور کہا دیکھ ربیع! ابو حنیفہ کے منھ مت لگ، باہر نکل کر ربیع نے شکایت کی کہ تم نے تو میرا خون ہی بہایا تھا، ابو حنیفہ نے کہا تم نے میرے قتل کا سامان کیا تھا مین نے تم کو بھی بچا لیا، اور اپنی جان بھی بچائی، عبد اللہ بن المبارک کا قول ہے کہ مین نے حسن بن عمارہ کو دیکھا کہ ابو حنیفہ کی رکاب تھامے ہوئے کھڑے تھے، واللہ ہم نے کوئی انسان نہین دیکھا کہ جو فقہ مین تم سے زیادہ بالغ النظر ہو یا زیادہ صابر ہو یا زیادہ حاضر جواب ہو، تم اپنے وقت کے مسلم پیشوا ہو، تم پر جو اعتراض کرتے ہین وہ حاسد ہین،

حق پر استقامت

اسمٰعیل بن عزاحم کا قول ہے کہ دنیا ابو حنیفہ کے قدمون پر گری انھون نے آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا، اس کے لینے پر کوڑون کے ذریعہ سے مجبور کئے گئے، مگر قبول نہ کیا، دو مرتبہ ابو حنیفہ نے حق کی حفاظت پر جسمانی تکلیفین برداشت کین، اول مرتبہ بنو امیہ کے زمانے مین، جب ابن ہبیرہ عامل کوفہ نے کوفہ کی قضا کا عہدہ قبول کرنے پر ان سے اصرار کیا، انکار پر تو کوڑے لگوائے، بالآخر چھوڑ دیا، ہر روز دس کوڑے مارے گئے، ایکدن کوڑے لگنے کے دوران مین روئے، چھوٹنے کے بعد رونے کا سبب کسی نے پوچھا تو کہا کہ مجھ کو اپنی والدہ کے صدمہ کا خیال آیا جو کوڑون سے زیادہ ایذا رسان تھا، اس پر رویا، احمد بن حنبل اپنی مصیبت کے بعد جب ابو حنیفہ کی مصیبت کا ذکر کرتے روتے اور ان کے لئے رحمت کی دعا کرتے، دوسری مرتبہ خلیفہ منصور نے اسی عہدہ کے قبول کے لئے بغداد بلایا، اور اصرار کیا، ابو حنیفہ انکار کرتے رہے، خلیفہ نے قسم کھا کر کہا کہ کرنا ہوگا، انھون نے انکار پر قسم کھائی، یہ بھی مکرر ہوا، حاجب ربیع نے موقع پاکر کہا کہ ابو حنیفہ امیر المؤمنین بار بار قسم کھاتے ہین، پھر بھی تم انکار کئے جاتے ہو، جواب دیا، امیر المؤمنین کو قسم کا کفارہ دیدینا مجھ سے زیادہ آسان ہے، بالآخر منصور نے قید کا حکم دیدیا، دوران قید مین ایکدن بلاکر پھر فرمایش کی، انھون نے کہا" اصلح اللہ امیر المؤمنین ما انا اصلح للقضاء، خدا امیر المؤمنین کا

بھلا کرے، مین عہدۂ قضا کی صلاحیت نہین رکھتا، منصور نے کہا تم جھوٹے ہو، جواب دیا خود امیر المومنین نے میری تصدیق کردی، کہ مجھ کو جھوٹا کہا، اگر مین فی الواقع جھوٹا ہون تو عہدۂ قضا کے قابل نہین، اور اگر سچا ہون تو مین کہہ چکا کہ مجھ مین یہ صلاحیت نہین، منصور نے یہ سنکر پھر قیدخانہ بھیجدیا، اسی قیدخانہ مین چھ دن علیل رہکر ۱۵۰ھ مین وفات پائی، ستر برس کی عمر تھی، ابن جریج نے خبرِ وفات سنکر انا للہ پڑھی، اور کہا ای علم ذہب، کیسا علم اٹھ گیا،

فقہ ابو حنیفہ | اس کا بھی مستقل باب ہے،

حدیث "لا تقوم الساعة حتى يظهر العلم" کی تفسیر مین حسن بن سلیمان نے کہا ہے کہ وہ علم ابو حنیفہ کا علم ہے، اور وہ شرح جو انھون نے احادیث کی کی ہے، خلف بن ایوب کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا، آپنے صحابہ کو پہنچایا، صحابہ نے تابعین کو، تابعین کے بعد ابو حنیفہ اور اُن کے اصحاب کو ملا اس پر کوئی خوش ہو یا ناراض،

ابن عیینہ کا قول ہے کہ میری آنکھ نے ابو حنیفہ کا مثل نہین دیکھا،

ایک موقع پر عبداللہ بن مبارک نے کہا ابو حنیفہ اللہ کی ایک نشانی تھے، کسی نے کہا خیر کی یا شر کی؟ کہا خاموش، شر کے واسطے غایۃ اور خیر کے واسطے آیۃ کا لفظ استعمال ہوتا ہے، یہ کہکر یہ آیت پڑھی "وجعلنا ابن مریم وامہ آیۃ" ابن مبارک کا یہ قول بھی ہے، کوئی مجلس ابو حنیفہ سے زیادہ باوقار نہ تھی، اُنکی شان فقہا کی تھی، نیک طریقہ، خوبصورت، خوش لباس تھے، ہم ایک روز جامع مسجد مین تھے، ایک سانپ ابو حنیفہ کی گود مین آپڑا، لوگ ڈرکر بھاگ گئے، ان کو مین نے دیکھا کہ بدستور بیٹھے رہے، سانپ کو جھٹکر پھینکدیا، ان کا یہ قول بھی ہے کہ اگر اللہ نے میری مدد ابو حنیفہ اور سفیان کے ذریعہ سے نہ کی ہوتی تو مین عام آدمیون کی طرح ہوتا، لولا ان الله اغاثني بابي حنيفة وسفيان كنت كسائر الناس، عبداللہ بن مسعود کے پڑوتے قاسم سے کسی نے کہا کہ کیا تم ابو حنیفہ کے تلامذہ مین داخل ہونا پسند کرتے ہو، جواب دیا ان کی محفل سے

زیادہ فیض رسان کوئی مجلس نہین ہے، چلو تم بھی چلکر دیکھ لو، چنانچہ وہ شخص ان کے ساتھ گیا، مجلس مین بیٹھا تو وہین کا ہو رہا اور کہا مین نے اس سے بہتر صحبت نہین پائی،

عبداللہ بن المبارک کا قول ہے کہ مین اوزاعی سے ملنے شام گیا، بیروت مین اُن سے ملاقات ہوئی، مجھ سے کہا کہ اے خراسانی کوفہ مین یہ کون بدعتی پیدا ہوا ہے، یہ سنکر مین مکان پر آیا، ابو حنیفہ کی کتابین نکالین اور ان مین سے چیدہ چیدہ مسائل چھانٹ کر نکالے، اس مین تین دن لگ گئے، تیسرے روز ان کے پاس پھر گیا، وہ مسجد کے مؤذن بھی تھے، امام بھی، میرے ہاتھ مین کتاب دیکھکر کہا یہ کیا ہے، مین نے ہاتھ بڑھاکر حوالہ کردی، انھون نے ایک مسالہ پر نظر ڈالی جسپر لکھا تھا، قال النعمان، اذان کہکر کھڑے کھڑے پہلا حصہ پڑھ لیا، پڑھکر کتاب آستین مین رکھ لی، پھر تکبیر کہکر نماز پڑھی، نماز پڑھکر کتاب نکالی اور سب پڑھ لی، دیکھکر کہا یہ نعمان بن ثابت کون ہین، مین نے کہا ایک شیخ ہین جن سے عراق مین ملاقات ہوئی تھی، کہا بڑی شان کے شیخ ہین، جاؤ اور اُن سے بہت سا فیض حاصل کرو، مین نے کہا یہ وہی ابو حنیفہ ہین جن سے مجھکو آپ نے روکا تھا، مسعر بن کدام کا قول ہے، کوفے مین صرف دو آدمیون پر مجھکو حسد ہے، ابو حنیفہ پر اُن کے فقہ کی وجہ سے اور حسن بن صالح پر اُن کے زہد کی وجہ سے، ابراہیم سے روایت ہے، کہ ایک بار ہم مسعر بن کدام کے پاس بیٹھے تھے کہ ابو حنیفہ وہان سے گذرے، تھوڑی دیر ٹھہر کر مسعر کو سلام کیا، اور چلے گئے، کسی نے کہا ابو حنیفہ کس قدر جھگڑالو ہین، یہ سنکر مسعر سنبھلکر بیٹھ گئے، اور کہا سمجھکر بات کرو، مین نے ابو حنیفہ کو جس کسی سے بحث کرتے دیکھا اونہی کو غالب پایا، اسرائیل کا قول ہے کہ نعمان اچھے آدمی تھے، اُن سے زیادہ کسی کو وہ حدیثین یاد نہ تھین جنین فقہ ہے، نہ ان سے زیادہ کسی نے کاوش کی تھی، نہ اُن سے زیادہ حدیث کی فقہ کا کوئی جاننے والا تھا، انھون نے حدیثین حماد سے یاد کی تھین، اور خوب یاد کی تھین، اسی لئے خلفا وامرا ووزرا نے ان کی عزت کی، جو شخص فقہ مین ان سے بحث کرتا اس کی جان مشکل مین پڑجاتی، مسعر کا قول تھا کہ جو کوئی اپنے اور اللہ کے درمیان ابو حنیفہ کو واسطہ کریگا، مجھکو امید ہے کہ اس کو خوف نہ ہوگا، اور اُس نے احتیاط کا حق ادا کردیا ہوگا، عبدالرزاق کا بیان ہے کہ ہم معمر کے پاس تھے کہ ابن المبارک پہنچے، ان کے آنے پر معمر نے کہا مین کسی شخص کو نہین جانتا جو فقہ پر ابو حنیفہ

سے زیادہ معرفت کے ساتھ کلام کر سکے، یا اُن سے زیادہ قیاس پر اور لوگون کے لئے فقہ کی راہین کھولنے پر قادر ہو، مین نے ان سے زیادہ کسی کو اسپر خائف پایا کہ اللہ کے دین مین کوئی بات بے تحقیق داخل کرین، ابو جعفر کا قول ہے کہ مین نے ابو حنیفہ سے زیادہ فقیہ اور پارسا کسی کو نہین دیکھا، فضیل بن عیاض کا قول ہے، ابو حنیفہ مرد فقیہ تھے، فقہ مین معروف پارسائی مین مشہور، بڑے دولتمند، ہر صادر و وارد کے ساتھ بہت سلوک کرنے والے، شب و روز صبر کے ساتھ تعلیم مین مصروف رہتے، رات اچھی گذارنے والے، خاموشی پسند، کم سخن، جب کوئی مسائلہ حلال یا حرام کا پیش آتا تو کلام کرتے اور ہدایت کا حق ادا کر دیتے، سلطانی مال سے بھاگنے والے، ابن صباح نے ابن مکرم کی حدیث پر فضیل بن عیاض کا یہ قول اور زیادہ کیا ہے، جس وقت کوئی مسئلہ اُن کے سامنے آتا تو اس کے باب مین اگر کوئی صحیح حدیث ہوتی تو اس کی پیروی کرتے، اگرچہ وہ صحابہ یا تابعین کی حدیث ہوتی ورنہ قیاس کرتے اور بہت اچھا قیاس کرتے، ابو یوسف کا قول ہے، مین نے حدیث کے معنی یا حدیث کے فقہی نکات جاننے والا ابو حنیفہ سے زیادہ نہین دیکھا، ان کا یہ بھی قول ہے کہ مین نے جس مسائلہ مین ابو حنیفہ سے مخالفت کی اور پھر غور کیا تو مجھ کو معلوم ہوا کہ ان کا مذہب آخرت کی نجات کے واسطے زیادہ کارآمد تھا، مین اکثر حدیث کی جانب جھکتا حال یہ تھا کہ وہ حدیث صحیح مین مجھ سے زیادہ بصیرت رکھتے تھے، ان کا یہ بھی قول تھا کہ مین ابو حنیفہ کے لئے اپنے باپ سے پہلے دعا کرتا ہون، حماد بن زید کا قول ہے کہ مین نے حج کا ارادہ کیا، اور ایوب کے پاس رخصت ہونے گیا، انھون نے کہا، مین نے سنا ہے کہ اہل کوفہ کے فقیہ مرد صالح یعنی ابو حنیفہ اس سال حج کو آئین گے جب ان سے ملاقات ہو تو میرا سلام کہنا، ابوبکر بن عیاش کا قول ہے کہ سفیان کے بھائی عمر بن سعید کا انتقال ہوا تو سفیان کے پاس ہم تعزیت کے لیے گئے، مجلس آدمیون سے بھری ہوئی تھی، عبد اللہ بن ادریس بھی وہان تھے، اسی عرصے مین ابو حنیفہ مع اپنی جماعت کے وہان پہنچے، سفیان نے ان کو دیکھا تو اپنی جگہ خالی کی کھڑے ہو کر ان سے معانقہ کیا، اپنی جگہ اُن کو بٹھایا، خود سامنے بیٹھے، یہ دیکھکر مجھ کو سخت غصہ آیا، ابن ادریس نے مجھ سے کہا، کمبخت دیکھتا نہین، ہم یہان تک بیٹھے رہے کہ آدمی متفرق ہو گئے، اب مین نے سفیان سے کہا کہ اے ابو عبد اللہ آج آپنے ایک ایسا کام کیا جو مجھکو برا معلوم ہوا نیز ہمارے دوسرے ساتھیون کو، پوچھا کیا بات، مین نے کہا، آپکے

پاس ابو حنیفہ آئے اُن کے لئے آپ کھڑے ہوئے اپنی جگہ بٹھایا، ان کے ادب مین مبالغہ کیا یہ ہم لوگون کو ناپسند ہوا، کہا تم کو یہ کیون ناپسند ہوا، وہ علم مین ذی مرتبہ شخص ہین، اگر مین اُن کے علم کے لئے نہ اٹھتا تو ان کے سن و سال کے لیئے اٹھتا، اور اگر ان کے سن و سال کے لیے نہ اٹھتا تو ان کی فقہ کے واسطے اٹھتا، اگر فقہ کے لئے نہ اٹھتا تو ان کے تقوی کے واسطے اٹھتا، راوی کا بیان ہے کہ انھون نے مجھکو ایسا ساکت کیا کہ جواب نہ بن آیا، ابو مطیع کا قول ہے کہ مین نے کسی محدث کو سفیان ثوری سے زیادہ فقیہ نہین دیکھا، ابو حنیفہ ان سے بھی زیادہ فقیہ تھے، یزید بن ہارون نے اس سوال کے جواب مین کہ دونون مین کون زیادہ فقیہ ہے، کہا سفیان ثوری حفظ حدیث مین بڑھے ہوئے ہین، ابو حنیفہ فقہ مین، ایسا ہی ایک قول ابو عاصم نبیل کا ہے،

ابن المبارک کا قول ہے کہ اگر حدیث معلوم ہو اور رائے کی ضرورت ہو تو مالک، سفیان، اور ابو حنیفہ کی رائے ماننی چاہئے، ابو حنیفہ کی نظر زیرکی مین ان سے بہتر اور باریک تر ہے، فقہ مین زیادہ گہری جاتی ہے، اور وہ ان تینون مین زیادہ فقیہ ہین، ان کان الاثر قد عرف واحتیج الی الرای فرای مالک وسفیان وابی حنیفة، وابو حنیفة احسنهم وادقهم فطنة واغوصهم علی الفقه وهو افقه الثلاثة،

محمد بن بشر کا قول ہے کہ مین ابو حنیفہ اور سفیان ثوری دونون کے پاس جاتا تھا، جب ابو حنیفہ کے پاس جاتا پوچھتے کہان سے آئے، سفیان کا نام سنکر کہتے، تم ایسے شخص کے پاس سے آئے ہو کہ اگر آج علقمہ اور اسود زندہ ہوتے تو سفیان کے محتاج ہوتے، جب سفیان سوال کے جواب مین سنتے کہ ابو حنیفہ کے پاس سے آیا ہون، تو کہتے تم ایسے شخص کے پاس سے آئے ہو جو روئے زمین پر سب سے زیادہ فقیہ ہے، عبد اللہ بن داؤد الخریبی کا قول ہے کہ اہل اسلام پر واجب ہے کہ نماز کے بعد ابو حنیفہ کے حق مین اس حفاظت کے صلے مین جو انھون نے سنت اور فقہ کی کی ہے، دعائے خیر کرین، نضر بن شمیل کا قول ہے کہ لوگ علم فقہ سے غافل تھے، ابو حنیفہ کی عقدہ کشائی تشریح و تلخیص نے چونکا دیا، یحیی بن معین کا قول ہے کہ مین نے یحیی القطان کو کہتے سنا، ہم اللہ کا نام لے کر جھوٹ نہ بولینگے ہم ابو حنیفہ کی رائے مین سے اکثر چیزین اختیار کر لیتے ہین، یہ بھی ان کا قول یحیی بن معین نے نقل کیا ہے کہ ہم

خدا کا نام لیکر جھوٹ نہ بولیں گے، ابوحنیفہ سے بہتر رائے ہم نے کسی کی نہیں پائی، اور ہم نے ان کے اکثر اقوال اختیار کرلیے ہیں، یحییٰ بن معین کہتے ہیں، کہ یحییٰ بن سعید (قطان) فتوی میں کوفیون کے قول کی جانب جاتے تھے، اور کوفیون کے اقوال میں سے ابوحنیفہ کا قول لیتے تھے، اور اُن کے معاصرون میں سے ان کی رائے کا اتباع کرتے تھے، امام شافعی کے حسب ذیل اقوال فقہ حنفی کے متعلق نقل کئے ہیں،

الناس عیال علی ابی حنیفۃ فی الفقہ	لوگ فقہ میں ابوحنیفہ کے محتاج ہیں،
ما رأیت افقہ من ابی حنیفۃ۔	مین نے ابوحنیفہ سے بڑھکر فقیہ نہیں دیکھا،

جو شخص فقہ مین متبحر ہونے کا ارادہ کرے وہ ابوحنیفہ کا محتاج ہے،

کان ابو حنیفۃ ممن وفق لہ الفقہ	ابوحنیفہ ان لوگون مین سے تھے جنکو فقہ مین حق کے ساتھ موافقت بخشی گئی ہے،

جو شخص فقہ سیکھنا چاہے اسکو ابوحنیفہ اور ان کے شاگردون کا دامن پکڑنا چاہئے، اس لئے کہ سارے انسان فقہ مین ابوحنیفہ کے محتاج ہین،

یحییٰ بن معین کا قول ہے کہ میرے نزدیک قرأت حمزہ کی قرأت ہے اور فقہ ابوحنیفہ کی فقہ ہے، سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ میرا گمان یہ تھا کہ دو چیزین کوفے کے پل کے ادھر نہ جائنگی، مگر وہ آفاق پر چھا گئین، حمزہ کی قرأت، اور ابوحنیفہ کی رائے، جعفر بن الربیع کا قول ہے، پانچ سال مین ابوحنیفہ کے پاس رہا اُن سے زیادہ خاموش آدمی مین نے نہیں دیکھا، جب کوئی مسئلہ پیش آتا اس وقت کھلتے اور سیل دریا کی طرح روان ہوتے، حکم بن ہشام ثقفی سے کسی نے ابوحنیفہ کی نسبت رائے پوچھی تو انھون نے کہا، ابوحنیفہ کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبلے سے نہیں نکالتے تھے جب تک کہ وہ خود اسی دروازہ سے نہ نکل جائے جس سے وہ داخل ہوا تھا، وہ بہت بڑے امین تھے، ہمارے سلطان نے چاہا کہ اُن کو خزانے کی کنجیان سپرد کردے نہ ماننے کی صورت مین دُرون کی دھمکی دی، انھون نے انسانی عذاب کو بمقابلہ اللہ کے عذاب کے پسند کیا، ابن مزاحم کا قول ہے، ابوحنیفہ اکثر یہ کہا کرتے تھے، اللھم من ضاق بنا صدرہ فان قلبی بنا قد اتسعت لہ، بار الٰہا جو لوگ ہماری طرف سے تنگدل ہین، ہمارے دل ان کے لئے کشادہ ہین، حسن بن زیاد اللولوی کا قول ہے، مین نے ابوحنیفہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے، ہمارا قول رائے ہے، اور وہ ہماری قدرت کی بہترین صورت ہے، جو اس سے بہتر بیان کرے وہ ہم سے زیادہ باصواب ہے، وکیع کا قول ہے کہ ایک روز مین ابوحنیفہ کے پاس گیا تو وہ سر جھکائے ہوئے غور کر رہے تھے، مجھ کو دیکھکر کہا کہان سے آئے، مین نے کہا، شریک کے پاس سے، یہ سنکر سر اٹھایا اور یہ شعر پڑھے،

ان یحسدونی فانی غیر لائمھم	قبلی من الناس اھل الفضل قد حسدوا
فدام لی ولھم ما بی وما بھم	ومات اکثرنا غیظاً بما یجد

اگر لوگ مجھ پر حسد کرتے ہین تو کرین مین انکو ملامت نہیں کرنے کا، مجھ سے پہلے بھی انسانون مین سے اہل فضل پر حسد کیا گیا ہے، وہ اپنے حال پر قائم رہین، مین اپنے حال پر، ہم مین سے اکثر حالات پر غصہ کھاکر مر گئے ہین، یہ بیان کرکے وکیع نے کہا کہ میرا گمان ہے کہ شریک کی طرف سے کوئی بات ابوحنیفہ کے کان تک پہنچی تھی،

ایک اور قول جو اس موقع کے مناسب ہے ہم تاریخ خطیب کے ایک دوسرے مقام سے (امام ابویوسف کے حالات مین سے) یہان نقل کرتے ہین،

ایک روز وکیع کی مجلس مین کسی نے کہا ابوحنیفہ نے خطا کی، وکیع نے کہا، ابوحنیفہ کس طرح خطا کرسکتے ہین حالانکہ ابویوسف وزفر جیسے صاحب قیاس، اور یحییٰ بن زائدہ اور حفص بن غیاث اور حبان اور مندل جیسے حافظان حدیث اور القاسم بن معن سا لغت اور ادب کا جاننے والا، اور داؤد وطائی اور فضیل بن عیاض جیسے زاہد و پارسا ان کے ساتھ ہین جس کے ایسے ہمنشین ہون وہ غلطی نہیں کرسکتا اگر کبھی غلطی کر جائے اس کے جلیس رد کر دینگے،

جرح

۴۴ صفحات پر مناقب بیان کرنے کے بعد خطیب نے وہ اقوال لکھے ہین جو امام صاحب کے خلاف کئے گئے ہین، ان اقوال کو نقل کرنے سے پہلے خطیب نے یہ تمہید بیان کی ہے،

والمحفوظ عند نقلۃ الحدیث عن ھؤلاء المذکورین منھم فی ابی حنیفۃ خلاف

ذلک وکلامھم فیہ کثیر لامور شنیعۃ حفظت علیہ یتعلق بعضھا باصول الدیانات وبعضھا بالفروع نحن ذاکروھا، بمشیۃ اللہ ومعتذرون علی من وقف علیھا وکرہ سماعھا بان اباحنیفۃ عندنا مع جلالۃ قدرہ اسوۃ غیرہ من العلماء الذین دوّنا ذکرھم فی ھذا الکتاب واوردنا اخبارھم وحکینا اقوال الناس فیھم علی تباینھا واللہ الموفق للصواب

"ناقلان حدیث کے یہاں ائمہ مذکورین کے ایسے اقوال بھی ابوحنیفہ کے متعلق محفوظ ہیں جو بیان بالا کے خلاف ہیں، اور انھوں نے ان کی بابت کلام بہت کیا ہے، اس کلام کے باعث وہ امور شنیعہ ہیں جو ان کے متعلق محفوظ ہیں ان میں سے بعض تو اصول دین کے متعلق ہیں، بعض فروع کے متعلق، ہم انشاء اللہ ان کا ذکر کرینگے، جو لوگ اسکو سنکر ناپسند کریں ان سے ہم معذرت کرتے ہیں کہ ہم ابوحنیفہ کی جلالتِ قدر کے قائل ہیں تاہم ان کو اس بارہ میں دوسرے علماء کی طرح سمجھتے ہیں کہ ان کے خلاف جو باتیں بیان کی گئی ہیں، ان کو بھی ہم بیان کردیں، جیسا کہ ہم نے دوسرے علماء کے ذکر میں کیا ہے،

اس تمہید کے بعد اقوال خلاف بیان کئے گئے ہیں جو ۵ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں،

یہ امور شنیعہ جیسا کہ خود خطیب نے بیان کیا ہے بعض تو ان میں سے عقائد کے متعلق ہیں، بعض فروع کے متعلق عقائد کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں،

یہودی، مشرک، زندیق، دہری، صاحب ہوا، ان سے کفر سے دو بار توبہ کرائی گئی، مرجیہ، جہمی، خلق قرآن کے قائل، اصحاب ابوحنیفہ کا شبہ بالنصاری ہونا،

فروع کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں،

خروج علی السلطان، تقیہ کرنا، زنا کا حلال کردینا، ربٰو کا حلال کردینا، خونریزی حلال کردی، سنن کی کساد بازاری کی، علی ہذا القیاس،

یہ واضح رہے کہ جرحیں سب کی سب غیر مفسر اور غیر مبین السبب ہیں، ان کے راویوں کی عدالت کی توثیق

خطیب نے نہیں کی ہے، یہ دونوں امر حصولاً لازم ہیں،

مناسب ہوگا، کہ امام صاحب پر جو جرحیں کیگئی ہیں اس موقع پر ایک تحقیقی نظر اُن پر ڈالی جائے، بحث کے دو پہلو ہوسکتے ہیں، نقلی و عقلی، نقلی بحث یہ ہے کہ خود خطیب ان جرحوں کی ذمہ داری لینے پر تیار نہیں، چنانچہ انکے نقل کرنے سے پہلے جو تمہید لکھی ہے وہ اس کی شاہد ہے جرحیں نقل کرنے کی معذرت یہ کی ہے کہ چونکہ وہ روایت کیگئی ہیں اور تمام علماء کے متعلق وہ موافق و مخالف امور کی نقل کرتے آئے ہیں، اسلئے ان اقوال کو بھی نقل کرتے ہیں، اسکے ساتھ امام صاحب کی جلالتِ قدر کو مانتے ہیں، ظاہر ہے کہ اگر مذکورہ بالا جرحوں میں سے فروع یا عقائد کے متعلق ایک جرح بھی ان کے نزدیک ثابت ہوتی تو جلالتِ قدر درکنار امام صاحب کی قدر بھی ان کے دل میں نہ ہونی چاہئے تھی، اس کے علاوہ جرحیں نقل کرنے کے ساتھ ساتھ جابجا ان کے تردیدی اقوال بھی نقل کرتے جاتے ہیں، حالانکہ جرح میں تعدیل کے ذکر کا موقع نہ تھا کہ باب تعدیل و مناقب ختم ہوچکا تھا، مثلاً خلق قرآن کے عقیدہ کی روایت بیان کرنے کے بعد امام احمد بن حنبل کا یہ قول نقل کیا ہے، لم یصح عندنا ان اباحنیفۃ کان یقول القرآن مخلوق، ہمارے نزدیک یہ قول صحیح نہیں کہ ابوحنیفہ قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل تھے اس کے بعد جوزجانی اور معلی بن منصور کا قول نقل کیا ہے "یقولان ما تکلم ابو حنیفۃ ولا ابو یوسف ولا زفر ولا محمد ولا احد من اصحابھم فی القرآن وانما تکلم بشر المریسی وابن ابی داؤد فھؤلاء شانوا اصحاب ابی حنیفۃ۔ ان دونوں کا قول تھا کہ نہ ابوحنیفہ نے نہ ابو یوسف نے نہ زفر نے نہ محمد نے اور نہ اور کسی نے ان میں سے قرآن میں کلام کیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ بشر مریسی اور ابن ابی داؤد نے کلام کیا ہے، اور اصحاب ابوحنیفہ کو بدنام، خود امام صاحب کا ایک قول نقل کیا ہے، ایک بار عبداللہ بن المبارک ابوحنیفہ کے پاس گئے، پوچھا کہ تم لوگوں میں یہ کیا چرچا ہورہا ہے، جواب دیا ایک شخص جہم نامی کا چرچا ہے، پوچھا کیا کہتا ہے، کہا کہتا ہے، القرآن مخلوق، انھوں نے سنکر یہ آیت پڑھی، کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا، جنت اور نار کے غیر موجود ہونے کی جرح نقل کرکے خطیب کہتے ہیں کہ قولِ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ خود راوی

ابو مطیع اس کا قائل تھا، ابو حنیفہ نہ تھے، امام احمد بن حنبل کی طرف جو جرح امام صاحب کے کذاب ہونے کی منسوب ہے، اس کو نقل کرکے لکھا ہے کہ یحییٰ بن معین سے پوچھا گیا کہ آیا ابو حنیفہ ثقہ ہیں، قال نعم ثقۃ ثقۃ، کہا ہاں ثقہ ہیں ثقہ ہیں، دوسرا قول اُن کا یہ نقل کیا ہے، کان ابو حنیفۃ ثقۃ لا یحدث بالحدیث الا ما یحفظ ولا یحدث بما لا یحفظ ابو حنیفہ ثقہ تھے، وہی حدیث روایت کرتے جو ان کو بخوبی یاد ہوتی اور جو بخوبی یاد نہ ہوتی اسکو روایت نہ کرتے، ان مراتب پر غور کرنے کے بعد صرف یہی راے قائم ہو سکتی ہے کہ خطیب نے مخالف اقوال نقل کرنے میں اپنا مورخانہ فرض ادا کیا ہے، خود اُن کے وہ قائل نہ تھے، یا یہ کہئے کہ وہ خود ان کی رائے نہ تھی،

اس کے بعد ہم اصول حدیث کی مستند کتابوں سے اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہیں، کتاب المغنی[1] للشیخ طاہر پٹنی صاحب مجمع البحار کی عبارت کا ترجمہ ملاحظہ ہو جو جرح بالا کا جواب شافی ہے، یہ واضح رہے کہ یہ نیز بعد کے آنے والے جوابات کسی حنفی کے لکھے ہوے نہیں ہیں، سب غیر حنفیوں کے ہیں، ترجمہ ملاحظہ ہو،

"امام ابو حنیفہ کی طرف ایسے اقوال منسوب کئے گئے ہیں جنسے ان کی شان بالاتر ہے، وہ اقوال خلق قرآن، قدر، ارجاء وغیرہ ہیں، ہم کو ضرورت نہیں کہ ان اقوال کے منسوب کرنے والوں کے نام لیں، یہ ظاہر ہے کہ امام ابو حنیفہ کا دامن ان سے پاک تھا، اللہ تعالیٰ کا ان کو ایسی شریعت کا دینا جو سارے آفاق میں پھیل گئی، اُسے جسنے روئے زمین کو ڈھک لیا، اور ان کے مذہب و فقہ کا قبول عام ان کی پاکدامنی کی دلیل ہے، اگر اسمین اللہ تعالیٰ کا سر خفی نہ ہوتا، نصف[2] یا اس کے قریب اسلام ان کی تقلید کے جھنڈے کے نیچے نہ ہوتا، یہان تک کہ ہمارے زمانے تک جسکو ساڑھے چار سو برس ۴۵۰ ہو چکے،

[1] شیخ موصوف نے یہی عبارت مجمع البحار کے خاتمے میں بھی نقل کی ہے،

[2] ملا علی قاری نے مرقاۃ المفاتیح میں اپنے زمانے کے (یعنی گیارھوین صدی کے) حنفیون کا اندازہ بر بنا ر آبادی روم اور ماوراء النہر اور ہندوستان کے کل اہل اسلام میں دو ثلث ہونے کا کیا ہے، اور یہ قرین قیاس ہے، (دیکھو کتاب مذکور کا میرے یہان کا قلمی نسخہ ورق ۹ صفحہ دوم)

(معلوم ہوتا ہے کہ کاپی نویس نے تسعمائۃ کو اربعمائۃ کر دیا ہے) ان کے فقہ کے مطابق اللہ کی عبادت ہو رہی ہے، اور اُن کی راے پر عمل ہو رہا ہے، اس میں انکی صحت کی اوّل درجے کی دلیل ہے، اور ابو جعفر طحاوی نے (جو ان کے مذہب کے سب سے زیادہ اخذ کرنے والوں میں ہیں) ایک کتاب مسمیٰ بہ عقیدہ ابو حنیفہ لکھی ہے، یہی عقیدہ اہل سنت کا ہے، (خاکسار شروانی کہتا ہے کہ عقائد نسفی بھی اس کی تائید میں پیش کیجا سکتی ہے، جو آج عقائد کی مدار علیہ کتاب ہے) اس میں کوئی عقیدہ ان عقیدوں میں سے موجود نہیں جو ابو حنیفہ کی طرف منسوب کئے گئے ہیں، طحاوی نے اس کا سبب بھی لکھا ہے کہ کیون وہ قول اُن کی طرف منسوب کئے گئے، ہم کو ان کے ذکر کرنے کی اسلئے حاجت نہیں کہ ابو حنیفہ کی شان کا آدمی اور ان کا مرتبہ جو اسلام میں ہے اس کا محتاج نہیں کہ انکی طرف سے کوئی معذرت کیجائے"؛ (المغنی صفحہ ۴۳ مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی، حاشیہ تقریب التہذیب)

خیال بالا کی تائید خود خطیب نے بھی کی ہے، وہ اپنی اصول حدیث کی کتاب الکفایہ فی علم الروایہ میں جرح کے قاعدہ کے تحت امام مالک بن انس و امام سفیان ثوری سے شروع کرکے یحییٰ بن معین تک ایک طبقہ قائم کرتے ہیں، اس کے بعد لکھتے ہیں، "اور جو اصحاب بلندیِ ذکر، استقامتِ حال، اور صداقت کی شہرت اور بصیرت و فہم میں اصحاب بالا کی مثل ہوں اُن کی عدالت کی بابتہ سوال نہیں کیا جا سکتا"؛ اسی سلسلے میں یہ روایت لکھی ہے کہ امام احمد بن حنبل سے اسحق بن راہویہ کی بابتہ سوال کیا گیا تو جواب میں کہا کہ کیا اسحق بن راہویہ کی شان کے آدمی کی نسبت سوال کیا جا سکتا ہے، ایسا ہی ایک قول یحییٰ بن معین کا ابو عبید کے بارہ میں روایت کیا ہے، (دیکھو الکفایہ فی علم الروایۃ صفحہ ۱۱۳ و ۱۴۴، میرے کتابخانے کا قلمی نسخہ) کتاب مذکور میں خطیب نے یہ روایت کرکے کہ جرح وہی مقبول ہو گی جو مشرح ہو لکھا ہے کہ یہی قول ہمارے نزدیک صحیح ہے، اور یہی مذہب حفاظ حدیث میں اماموں کا ہے، یہ لکھکر امام بخاری و امام مسلم وغیرہما کے احتجاج کی مثالیں دی ہیں (دیکھو الکفایہ صفحہ ۱۴۲) اب اس قاعدے کی کسوٹی پر اگر ان جرحوں کو آپ کسیں گے جو خطیب نے تاریخ میں امام اعظم کے متعلق غیر مشرح نقل کی ہیں تو صاف عیان ہو جائیگا کہ وہ خود ان کے نزدیک قابلِ قبول نہیں، اسلئے کہ جب اس طبقے کی عدالت سوال سے بالاتر ہے جس میں اسحق بن

راہویہ ہین تو امام صاحب کی عدالت تو اس سے مرجہا بالاتر ہے، جب اسحٰق بن راہویہ کی شان کے آدمی کی نسبت بقول امام احمد بن حنبل سوال نہین کیا جاسکتا ہے تو امام اعظم کی شان تو اس سے بہت زیادہ ارفع ہے،

شیخ الاسلام سبکیؒ نے کتاب طبقات الشافعیہ مین ایک لطیف بحث جرح و تعدیل کے متعلق لکھی ہے، جسکا خلاصہ یہ ہے، "جرح و تعدیل کا ایک ضروری و نافع قاعدہ ...... ہمارے نزدیک قول صواب یہ ہے کہ جس کی امامت و عدالت ثابت ہو اور جسکی تعدیل و تزکیہ کرنے والے بہت ہون، جرح کرنے والے نادر اور اس بات کا قرینہ ہو کہ سبب جرح تعصب مذہبی وغیرہ ہے، تو ہم جرح کی طرف التفات نہ کرین گے، تعدیل کو مان لین گے، ورنہ اگر یہ دروازہ کھولدیا جائے اور ہم جرح کو تعدیل پر علی الاطلاق مقدم کرنا شروع کردین تو کوئی امام ائمۂ دین مین سے اسکی زد سے نہ بچیگا، اس لئے کوئی امام نہین جس پر طعن کرنے والون نے طعن نہ کیا ہو اور اسکی وجہ سے ہلاک ہونے والے ہلاک نہ ہوئے ہون، عبد البر کہتے ہین، صحیح اس معاملے مین یہ ہے کہ جس شخص کی عدالت اور علم مین اسکی امامت اور علم کی جانب توجہ ثابت ہو اس کے متعلق ہم کسی کے قول کیجانب التفات نہ کرین گے، مگر اُس صورت مین کہ صاف عادل جرح قانون شہادت کے مطابق مستند ہو، ان کا استدلال یہ ہے کہ سلف مین بعض کا کلام بعض پر رہا ہے بعض حالتون مین وہ تعصب یا حسد پر مبنی ہے، بعض صورتون مین تاویل و اختلاف اجتہاد اسکا باعث ہوا ہے، حالانکہ جس کی نسبت کلام کیا جاتا ہے وہ اس سے پاک ہوتا ہے، انتہا یہ ہے کہ تاویل و اجتہاد کی بنیاد پر ایک نے دوسرے پر تلوار چلوادی ہے،

اس کے بعد ابن عبد البر نے معاصرین کی جماعت کے ایک دوسرے کی نسبت کلام کرنے کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اسکی طرف التفات نہ کیا جائے، اسی بحث مین یحییٰ بن معین کی جرح کا ذکر آتا ہے جو امام شافعی پر ہے اور کہا ہے کہ یہ ابن معین کے لیے ناپسندیدہ اور عیب تھا، اسی سلسلے مین یحییٰ بن معین کے متعلق امام احمد بن حنبل کا یہ قول نقل کیا ہے، "ھو لا یعرف الشافعی ولا یعرف بالقول الشافعی ومن جھل شیئا عاداہ" وہ نہ شافعی کو جانتے ہین اور نہ شافعی کے کلام کو سمجھتے ہین، اور قاعدہ ہے کہ انسان جو نہین سمجھتا اس کا دشمن ہوجاتا ہے،

آگے جاکر لکھتے ہین کہ کسی نے ابن المبارک سے کہا کہ فلان شخص ابو حنیفہ پر اعتراض کرتا ہے، انھون نے یہ شعر پڑھا،

حسدوان رأوک فضلک اللہ　　بما فضلت بہ النجباء

لوگون نے یہ دیکھکر تجھ سے حسد کیا کہ اللہ نے تجھ پر وہ نوازش کی جو شرفاء پر ہوتی ہے،

اور یہ وہ اصول ہے جس پر تمام علما کا اجماع ہے، چنانچہ ان کا قول ہے کہ جرح جب تک مفسر نہ ہو مقبول نہ ہوگی، شیخ الاسلام سید المتاخرین تقی الدین ابن دقیق العید نے اپنی کتاب الاقتراح مین لکھا ہے کہ اعراض المسلمین حفرۃ من حفر النار وقف علی شفیرھا طائفتان من الناس، المحدثون والحکام، مسلمانون کی عزتین جہنم کے گڑھون مین سے ایک گڑھا ہین جس کے کنارہ پر دو گروہ کھڑے ہوئے ہین، ایک محدثین دوسرے حکام، ہمارے پاس دو اصول ہین جنکو ہم پکڑے رہین گے، جب تک کہ ان کے خلاف قطعی یقین نہ ہوجائے، ایک اصول اس امام مجروح کی عدالت ہے جس کی عظمت قائم ہوچکی ہے، دوسرا اصول جارح کی عدالت جو جرح کرتا ہے، لہذا ایسے امام کی جرح کی جانب توجہ نہ کیجائیگی نہ اس جرح سے وہ مجروح کیا جائے گا، اس قاعدہ کو یاد رکھو کہ بہت ضروری قاعدہ ہے" انتہی طبقات الشافعیہ خلاصۃً۔ جز اول (مطبوعہ مصر مطبع الحسینیہ) صفحہ ۱۸۷-۱۸۸،

امام سبکی کے آخر الذکر قاعدے کی تائید امام نوویؒ نے بھی اپنے رسالہ اصول حدیث التقریب کی نوع الثالث والعشرین مین کی ہے، حافظ ابن صلاحؒ نے لکھا ہے "جسکی عدالت اہل نقل یا ان کی امثال اہل علم مین مشہور ہو اس کے ثقہ اور امین ہونے کی تعریف عام ہو تو اس کی عدالت پر کسی کی شہادت کی ضرورت نہین، یہی مذہب صحیح شافعی کا ہے، اور اسی پر فن اصول فقہ مین اعتماد ہے، ابوبکر خطیب نے یہی قول اہل حدیث کا نقل کیا ہے، اور ایسے بزرگون کی مثال مین مالک، شعبہ، سفیانین، اوزاعی، لیث، ابن المبارک، وکیع، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، و امثالہم کے نام لئے ہین، صرف ان لوگون کی عدالت سے سوال کیا جائیگا جنکا حال مخفی ہو، ...... رہی جرح وہ صرف ایسی مقبول ہوگی جو مشرح ہو اور طالبین کے لیے اس کا سبب بیان کیا گیا ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان آپس مین مختلف الخیال ہین، کہ کون سی بات جارح ہے اور کونسی نہین، ان مین سے کوئی کسی ایسی وجہ کی بنیاد پر جرح کردیتا ہے

جس کا وہ معتقد ہوتا ہے، حالانکہ فی الواقع وہ وجہ جرح نہیں ہوتی، پس لازم ہے کہ سبب جرح بیان کیا جائے، تاکہ یہ دیکھا جا سکے کہ آیا وہ جرح ہے بھی یا نہیں، یہ کھلا ہوا اصول فقہ اور اصول فقہ میں مسلم ہے،

خطیب کہتا ہے کہ یہی مذہب حفاظِ حدیث میں اماموں کا ہے، جیسے کہ بخاری و مسلم وغیرہما ہیں، اسی لئے بخاری نے ایسی ایک جماعت سے روایت کی ہے جس پر ان سے قبل جرح ہو چکی تھی، مثلاً عکرمہ مولی ابن عباس رضی اللہ عنہما یہی عمل مسلم و ابو داؤد کا ہے، انتہیٰ (مقدمہ ابن صلاح نوع ۲۳)

اصول مذکورۂ بالا کی بنیاد پر ائمۂ رجال نے اپنی کتابوں میں امام اعظم کے متعلق جرح کو غیر مقبول قرار دیکر اس کا نقل کرنا بالکل متروک کر دیا ہے، چنانچہ ذیل کے مستند ائمۂ رجال کی کتابیں اسکی شاہد ہیں،

۱- امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں امام اعظم کے صرف حالات و مناقب لکھے ہیں، جرح ایک بھی نہیں لکھی، جو مختصر مناقب موضوعِ کتاب کے مطابق لکھ سکے ان کو لکھکر کہتے ہیں کہ میں نے امام اعظم کے مناقب میں ایک کتاب جداگانہ لکھی ہے،

۲- حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں جرح نقل نہیں کی، حالات و مناقب لکھنے کے بعد ختم کلام اس دعا پر کیا ہے، مناقب ابی حنیفة کثیرة جدًا فرضی اللہ عنه واسکنه الفردوس امین ۔ امام ابو حنیفہ کے مناقب بہت کثرت سے ہیں، ان کی جزا میں اللہ ان سے راضی ہو اور فردوس میں اُن کو مقام بخشے، آمین ۔

۳- امام ممدوح نے تقریب التہذیب میں بھی کوئی جرح نقل نہیں کی،

۴- حافظ صفی الدین خزرجی نے خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال میں صرف مناقب لکھے ہیں، جرح کا ذکر نہیں، امام صاحب کو امام العراق و فقیہ الامۃ کے لقب سے یاد کیا ہے، واضح ہو کہ خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال کے مطالب چار کتابوں کے مطالب ہیں، خود خلاصہ، تذہیب امام ذہبی، تہذیب الکمال امام ابو الحجاج المزی، اور الکمال فی اسماء الرجال امام عبد الغنی المقدسی، اس طرح یہ مسلک جرح و تعدیل کے چار اماموں کا متفقہ مسلک ہے،

کتاب الکمال کی بابت حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب کے خطبے میں لکھتے ہیں: کتاب الکمال فی اسماء الرجال ...... من اجل المصنفات فی معرفة حملة الآثار وضعًا واعظم المعی لفات فی بصائر ذوی الالباب وقعًا، خطبے کے آخر میں مؤلف الکمال کی بابت لکھا ہے، هو واللہ العدیم النظیر المطلع النحریر، تہذیب الاسماء واللغات میں امام نووی نے سات صفحے امام صاحب کے حالات میں لکھے ہیں جنکا اکثر حصہ تاریخ خطیب بغدادی سے ماخوذ ہے، صرف مناقب لکھے ہیں، جرح کا ایک لفظ نقل نہیں کیا، مراۃ الجنان میں امام یافعی شافعی نے امام صاحب کے حالات میں جرح نہیں لکھی، حالانکہ تاریخ خطیب کے حوالے متعدد دیئے ہیں، اس سے صاف واضح ہے کہ خطیب کی منقولہ جرح ان کی نظر میں ثابت نہ تھی، فقیہ ابن العماد الحنبلی نے اپنی کتاب شذرات الذہب میں صرف حالات و مناقب لکھے ہیں، جرح نقل نہیں کی،

خلاصہ - مذکورۂ بالا مستند پندرہ کتابوں کے، (جنمیں سے پانچ اصول حدیث کی ہیں، اور دس رجال کی) بیان سے صاف واضح ہے کہ جن اماموں کی عدالت اور جلالتِ مرتبہ اہل علم و اہل نقل کے نزدیک ثابت ہے ان کے مقابلے میں کوئی جرح مقبول و مسموع نہیں، ایسے ائمہ کا جو طبقہ مثالاً پیش کیا گیا ہے وہ امام مالک سے لے کر امام اسحٰق بن راہویہ تک ممتد ہے، اصولِ حدیث کے فیصلے کا ماخذ امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داؤد، امام ترمذی، حافظ ابن عبد البر، و شیخ الاسلام ابن دقیق العید کے اقوال ہیں، یہ بھی تصریح ہے کہ یہی مذہب و مسلک فن اصول فقہ میں معتمد اور اہل حدیث و حفاظِ حدیث کا مقبولِ عام مذہب ہے، اسی اصول کے اثر سے متاخرین ائمۂ رجال نے امام اعظم کے متعلق جرح کا ذکر اپنی کتابوں میں بالکل متروک کر دیا،

غالباً اس قدر بحث نقلی پہلو کے اثبات کے لیے کافی ہے، نقلی بحث کے بعد عقلی و مؤرخانہ بحث ملاحظہ ہو،

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ امام صاحب کے متعلق خطیب بغدادی نے جس قدر جرحیں نقل کی ہیں ان کا مآلِ کار خود ان کے قول کے مطابق صرف دو پہلو ہیں، اصول دین کے متعلق یا فروع کے متعلق، ان جرحوں کا وزن و اثر آپ نقلی بحث میں پڑھ چکے ہیں، امام صاحب کے جو حالات و واقعاتِ زندگی خطیب نے نقل کئے

ہین ان کی نسبت کسی کی جرح نقل ہی نہین کی، لہذا وہ واقعات وحالات بجائے خود قائم ہین،

کسی تاریخی ہستی کی نسبت رائے قائم کرنے کی مضبوط ترین بنیاد اس کے واقعات وحالات ہو سکتے ہین، اسی اصول پر ہم یہان بحث کرتے ہین،

امام صاحب کے جو حالات خطیب نے لکھے ہین ان سے صاف واضح ہوتا ہے کہ وہ اپنے معاصرین مین بہت سے اوصاف کے لحاظ سے فائق تھے، سب سے بڑا شرف اُن کی تابعیت تھی، اس کے بعد ان کی وہ عقل وفہم تھی جو قدرت نے ان مین مہماتِ دین حل کرنے اور نکاتِ شریعت سمجھنے کی ودیعت رکھی تھی، دیکھو خطیب نے انکی "وفور عقل" تیز فہمی و باریک نظری" کے بیان کے لیے جداگانہ باب قائم کیا ہے، علی بن عاصم کا یہ قول نقل کیا ہے، کہ اگر ابو حنیفہ کی عقل نصف اہل دنیا کی عقل سے تولی جائے تو اونہی کا پلہ بھاری رہتا۔ خارجہ ابو مصعب ایک ہزار عالمون سے مل کر یہ فیصلہ کرتے ہین کہ ان مین جو تین یا چار عاقل تھے ان مین ایک ابو حنیفہ تھے، یزید بن ہارون بہت سے انسانون کو دیکھنے کے بعد کہتے ہین کہ مین نے ابو حنیفہ سے زیادہ عاقل کوئی نہین پایا، اوپر تم سن چکے کہ امام اعمش نے انکی تیز نظری کا اعتراف کیا تھا، ان کے کاروبارِ تجارت کا دائرہ بہت وسیع تھا، اس سلسلہ مین ان کی امانت، حوصلہ حسنِ معاملہ، تدبیر وغیرہ اوصاف تاجرانہ کی تصدیق واقعات کرتے ہین، "حسن معاملہ" کا باب مستقل خطیب نے قائم کیا ہے، خشیتِ الٰہی ثابت ہے، اپنے زمانہ مین سب سے زیادہ پارسا اور عابد ہونا ان کا مسلم ہے، حسنِ معاشرت، پاکیزہ صحبت، جود وسخاوت، بلند نظری، اولو العزمی، مخلوق کی ہمدردی وغمخواری، اظہارِ حق مین جرأت، سلطانی عطایات سے بے نیازی، علم وعلمار کی بے غرضانہ خدمت عظیم، اور اس خدمت کی بدولت اپنے استاد امام وقت حماد بن ابی سلیمان کی نظر مین اولاد سے زیادہ عزیز ہونا، یہ وہ اوصاف ہین جنہین کسی نے کلام نہین کیا، انہی اوصاف کے اجتماع نے ان کو معاصرین کے طبقے مین بہت بلند کر دیا تھا، اس کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ وہ محسود الخلائق تھے، اور یہ ان کی محسودیت اس درجے پر پہنچگئی تھی کہ ان کے حالات مین اس کا ذکر نمایان ومنقول ہے، قیس بن الربیع ان کے ذکر مین کہتے ہین، کان ابو حنیفۃ رجلا ورعا فقیھا محسودًا،

ابو حنیفہ مرد پارسا فقیہ ومحسود تھے، تم حضرت ابن المبارک کا پڑھا ہوا شعر امام سبکی کے بیان مین پڑھ چکے جس مین معترض کے اعتراض کا منشا حسد ظاہر فرمایا ہے، خود امام صاحب نے جو شعر پڑھے تھے وہ شاہد ہین کہ ان کے پاکیزہ قلب مین حاسدین کے حسد کا صدمہ تھا، حسن بن عمارہ کا قول ہے کہ لوگ ابو حنیفہ کی نسبت جو کلام کرتے ہین، ان کا منشا حسد ہے، تفقہ مین ان کی فضیلت مسلم تھی، حضرت عبد اللہ بن المبارک نے حسن بن عمارہ کا وہ قول نقل فرمایا ہے، جو وہ امام صاحب کی رکاب تھامے ہوئے کھڑے تھے، اس مین یہ بھی تھا کہ تم سے زیادہ بلیغ کلام فقہ مین کسی نے نہین کہا، امام شافعی کے اقوال اس بارہ مین آپ پڑھ چکے، امام محمد بن حسن کے حالات مین امام احمد بن حنبل کا اعتراف پڑھ چکے، کہ دقت نظر امام محمد سے حاصل کی،

ان اوصاف کا دوگونہ اثر ہوا، امام صاحب کی احکام شرعیہ کی تحقیق اور ان کا اجتہاد معاصرین کی فہم سے بالاتر ثابت ہوا، فہم کی نارسائی باعث ہوئی اختلاف کا، اختلاف نے جرح کا رنگ اختیار کیا، اسی پر مبنی ہے، وہ جرح جو اہل حق نے امام صاحب کے متعلق اصول دین وفروع کی بنیاد پر کی ہے، تم اوپر اصول حدیث کا مسلمہ قاعدہ پڑھ چکے کہ اختلاف اجتہاد جس جرح کا منشا ہو وہ جرح نامقبول ہے، امام احمد بن حنبل نے فیصلہ فرما دیا۔ ومن جھل شیئًا عاداہ "

دوسرا اثر حسد کے رنگ مین نمایان ہوا، اصول حدیث نے دوسرا فیصلہ یہ صادر کیا کہ جو جرح حسد کے اثر سے ہو وہ بھی غیر مسموع ہے،

نظر کو بلند تر کیجئے کہ کیا امت مرحومہ کا سواد اعظم (جس کی تعداد کا اندازہ نصف یا دو ثلث اہل اسلام کیا گیا ہے) ایک یہودی زندیق یا مشرک کے تابع ہو گئی اور اپنی دنیا وآخرت کو اس کے دامن سے باندھ دیا، اگر معاذ اللہ ایسا ہوا تو خود اسلام کے اثر پر کلام کرنا ہوگا،

کوئی فہم سلیم جو نارسائی یا حسد سے مکدر نہ ہو کبھی باور نہ کریگی کہ ہزارہا علمائے ربانی اس ڈیڑھ ہزار برس کے زمانے مین امت مرحومہ مین اس تعلیم کے اثر سے پھیلے جو ایک ایسے شخص کے دل ودماغ سے نکلی جس کے

اوصاف جارحین نے بیان کئے ہین، ہمارا قلم بار بار ان کے اعادہ سے تحاشی کرتا ہے، علمار ربانی سے بڑھکر گروہ
گروہ اولیائے کرام تعلیم بالا پر عمل کرکے مراتب قرب پر فائز ہوئے، ولایت کے دو بڑے سلسلون چشتی اور نقشبندی
کے اکابر مذہب حنفی کے پیرو تھے،

سب سے بالاتر یہ بحث ہے کہ امام محمد سے لیکر علامہ ابن عابدین تک فقہا کی ہزارون کتابین فروع حنفی مین اور
امام طحاوی، امام نسفی وغیرہما کی تصانیف عقائد مین حاضر ہین، ان کی بنیاد پر ثابت کیا جائے کہ جو عقائد و مسائل
مجروحہ امام صاحب کی جانب منسوب کئے گئے ہین وہ کہان ہین، آج کرورون حنفی مختلف ممالک مین موجود ہین
ان مین سے کوئی خلق قرآن، ارجاء وغیرہ عقائد یا حلت زنا وغیرہ مسائل فروعی کا قائل ہے؟ جواب یہی ہے کہ ایک
بھی نہین، اس سے صاف ظاہر ہے کہ بنیاد جرح یا غلط فہمی ہے یا حسد اور ان دونون بنیادون پر جو عمارت قائم
ہوگی ظاہر ہے وہ قائم و دیرپا نہین رہ سکتی تھی، چنانچہ یہی ہوا، سو فہم اور حسد کے غبار کے چھٹ جانے کے بعد
اصول حدیث و علم رجال دونون نے بالاتفاق ان جرحون کے بے اصل اور غیر مقبول ہونے کا فیصلہ صادر کردیا،

موقع ہے کہ اس سلسلے مین فقہ حنفی کی تاریخی حقیقت سے بھی بحث کیجائے، آپ نے اور پر خلف بن ایوب
کا قول پڑھا کہ اللہ تعالیٰ سے علم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا، حضرت سید المرسلین سے صحابۂ کرام کو، صحابۂ
کرام سے تابعین کو، تابعین سے امام ابوحنیفہ کو،

حافظ ابن قیمؒ نے اعلام الموقعین من رب العالمین مین اس کے متعلق سیر حاصل بحث کی ہے، اس کے
مطالب خلاصۃً لکھے جاتے ہین،

"علمائے امت دو قسم مین منحصر ہین، ایک حفاظ حدیث ...... جنھون نے دین کے خزانون کی حفاظت
کی اور اس کے چشمون کو تکدر و تغیر سے پاک صاف رکھا، اونھی کی کوششون کا اثر تھا کہ جن لوگون کی طرف اللہ
پاک کی جانب سے بہتری بڑھی وہ پاک چشمون پر وارد ہوئے ...... دوسری قسم فقہائے اسلام ہین
جنکے اقوال پر مخلوق مین فتوی کا دار مدار ہے، یہ گروہ استنباط احکام کے ساتھ مخصوص ہے، انھون نے قواعد

حلال و حرام کے انضباط کا اہتمام کیا، وہ زمین پر آسمانون کے تارون کی مثال ہین کہ ان کی وجہ سے تاریکی مین بھٹکنے والے
ہدایت پاتے ہین، کھانے پینے سے بھی زیادہ انسان اُن کے محتاج ہین، اور اُن کی اطاعت نص کے رو سے ماں باپ سے
بھی زیادہ فرض ہے، ایک روایت مین "اولی الامر" سے مراد علما ہین دوسری مین امرا، سب سے اول سید المرسلین نے
تبلیغ کے منصب شریف کو ادا کیا، آپ کے بعد صحابہ نے، اس بارہ مین بعض صحابہ مکثر تھے بعض متوسط، بعض مقل صحابہ
مین سے جن کے فتوی محفوظ ہین وہ ایک سو کچھ اوپر تیس تھے، ان مین مرد اور بی بی دونون شامل ہین، انہین سے جن کے
فتوے کثیر ہین وہ (حضرات) عمرؓ بن خطاب، علی بن ابی طالب، عبد اللہ بن مسعود، عائشہ ام المومنین، زید بن ثابت
عبد اللہ بن عباسؓ، اور عبد اللہ بن عمر ہین، ان مین سے ہر ایک کے فتوون سے ایک ضخیم جلد مرتب ہوسکتی ہے،

مسروق کا قول ہے کہ مین صحابہ کی صحبت مین رہا، ان کا علم چھ کو پہنچا، علیؓ، عبد اللہ، عمر، زید بن ثابت، ابو الدرداء
اُبی ابن کعب (رضی اللہ عنہم اجمعین) ان چھ کا علم دو کو پہنچا، علی و عبد اللہ،[1]

یہ بھی مسروق کا قول ہے کہ صحابہ کی مثال پانی کے تالابون کی ہے، ایک ایسا تالاب ہے جس سے ایک
سوار سیراب ہو، ایک ایسا جس سے دو سوار سیراب ہون، ایک ایسا جس سے روئے زمین کے آدمی سیراب ہوجائین
عبد اللہ (بن مسعود) انھی مین سے ہین، جن چار سے قرآن حاصل کرنے کا ارشاد نبوی ہوا اون مین ابن
ام عبد کا نام اول لیا، اعمش نے ابراہیم سے یہ روایت نقل کی ہے، کہ جب کسی معاملے مین (حضرت) عمرؓ و عبد اللہ جمع
ہوجاتے تھے تو وہ اونکی برابر کسی کو نہ سمجھتے تھے، اگر دونون مین اختلاف ہوتا تو عبد اللہ کے قول کو زیادہ پسند کرتے
اس لئے کہ وہ زیادہ باریک بین تھے، لانہ کان الطف،

ابن مسعودؓ کے متعلق (حضرت عمر کا) قول ہے، کنیف ملئ علما۔ علم سے بھرا ہوا ایک تھیلا ہے،
ابو موسیٰ کا قول ہے کہ عبد اللہ کی ایک مجلس مین بیٹھنا ایک سال کے عمل سے زیادہ میرے نفس مین تاثیر کرتا ہے،

[1] امام نووی التقریب اصول حدیث مین لکھتے ہین، صحابہ کا علم چھ پر منتہی ہوا، عمرؓ، علیؓ، اُبیؓ، زید بن ثابت، ابو الدرداء، ابن مسعود،
اس کے بعد ان چھ کا علم علی و عبد اللہ پر منتہی ہوا، (دیکھو التقریب النوع ۴۳)

. . . . . علی بن ابی طالب علیہ السلام کے احکام و فتاوی ببیلے مگر خدا شیعون کو . . . . . کرے انھون نے ان کا بہت سا علم ان پر جھوٹ باندھکر فاسد کر دیا، اس لیے صحیح روایتون مین ان کی وہی حدیث یا فتوی معتبر خیال کرتے مین جو اہلبیت یا اصحابِ عبد اللہ بن مسعود کے ذریعہ سے پہنچا ہے، خود حضرت کو اس کا شکوہ تھا کہ اُن کے علم کے حامل نہین، کما قال ان ھھنا علما لو اصبت لہ الحملۃ، یہان بڑا علم ہے اگر لینے والے اس تک پہنچین[1]، محمد بن جریر طبری کا قول ہے کہ حضرت عمرؓ کے اصحاب مین سے ایک بھی ایسا نہ ہوا جس نے ان کے فتاوی اور مذاہب فی الفقہ لکھے ہون سوا ابن مسعود کے، وہ اپنا قول اور مذہب قول عمرؓ کے مقابلے مین ترک کر دیتے تھے، ان کی مخالفت کسی مسائلے مین نہین کرتے تھے، دین اور مذہب امت مین اصحاب عبد اللہ بن مسعودؓ، اصحاب زید بن ثابتؓ، اصحاب عبد اللہ بن عمرؓ اور اصحاب عبد اللہ ابن عباسؓ سے پھیلا اور حجاز کے اصحاب سارے آدمیون کو علم پہنچا ہے صحابہ کے بعد انکے تلامذہ . . . . . کوفہ مین علقمہ بن قیس النخعی، اسود بن عمرو، ابن شرحبیل، مسروق الہمدانی، قاضی شریح . . . . . تھے، یہ سب کے سب اصحاب علیؓ و عبد اللہ ابن مسعودؓ مین، اور اکابر تابعین سے ہین، اکابر صحابہ کی موجودگی مین فتوی دیتے تھے اور وہ اسکو جائز رکھتے تھے،

اس طبقے کے بعد ابراہیم نخعی، عامر الشعبی و سعید بن جبیر . . . . . ہوئے ان کے بعد حماد بن ابی سلیمان، سلیمان المعتمر، سلیمان الاعمش اور مسعر بن کدام، ان کے بعد محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلی، . . . . . سفیان ثوری، اور ابو حنیفہ ہوئے . . . . . ان کے بعد حفص بن غیاث، وکیع بن الجراح اور اصحاب ابو حنیفہ مثل ابو یوسف القاضی، زفر بن ہذیل، حماد بن ابو حنیفہ، حسن بن زیاد القاضی اور محمد بن حسن قاضی رقہ ہوئے" (انتہی اعلام الموقعین خلاصۃً)

شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے بھی حجۃ اللہ البالغہ مین یہ بحث لکھی ہے، حافظ ابن قیم اور شاہ صاحب کی بحث مین تفصیل اور اجمال کا فرق ہے،

---

[1] اس قول کی تائید امام مسلم نے مقدمہ صحیح مسلم مین کی ہے، لکھا ہے کہ المغیرہ ان روایتون مین سے جو حضرت علیؓ سے کیجاتین صرف وہ روایت قبول کرتے جو اصحاب عبد اللہ بن مسعود کی سند سے ہوتی، یہ بھی لکھا ہے کہ اصحاب علی نے ان کا علم فاسد کر دیا۔ (دیکھو مقدمہ صحیح مسلم حاشیہ قسطلانی ج اصفحہ ۱۱۲)

اقوالِ بالا کی بنیاد پر فقہ حنفی کا سلسلہ حسب ذیل بصورت شجرہ قائم کیا جا سکتا ہے،

حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم،
حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ
علقمہ
اسود نخعی
و شرحبیل
عمرو بن شرحبیل
مسروق الہمدانی
قاضی شریح
ابراہیم النخعی
حماد بن ابی سلیمان
ابو حنیفہ
ابو یوسف قاضی
محمد بن حسن القاضی
زفر بن ہذیل
حسن بن زیاد اللؤلؤی القاضی
حماد بن ابی حنیفہ
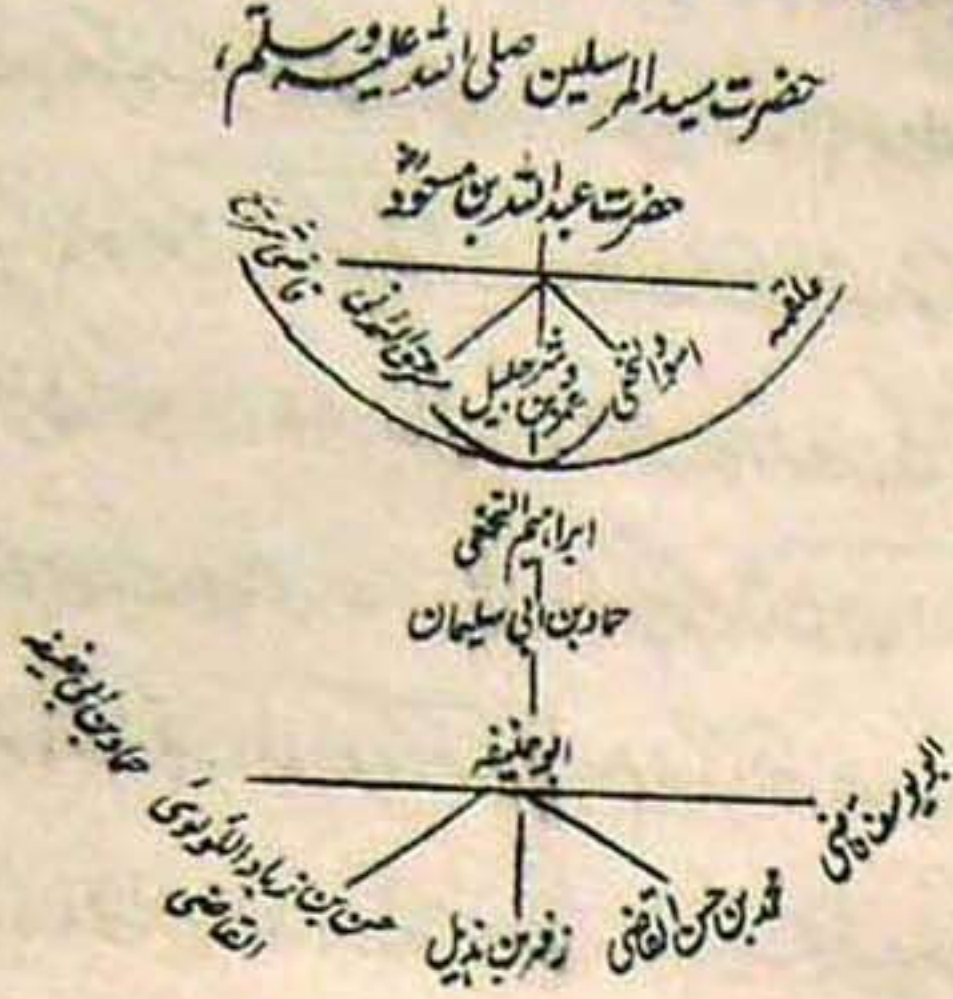
فقہ حنفی پر بحث کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ رجالِ فقہ موصوف کے حالات مختصراً بیان کر دیے جائین جنسے ان حضرات کا مرتبہ علمی و عملی معلوم ہو سکے،

یہ آپ معلوم کر چکے ہین کہ فقہ کے مرجع کل آنحضرتؐ کے بعد حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ ہین،

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ[1] کنیت ابو عبد الرحمن، قدیم الاسلام، اُن سے پہلے صرف پانچ حضرات اسلام لا چکے تھے، اسلام لانے کے وقت عمر کا تخمینہ بیس سال کے قریب ہوتا ہے، مشرف باسلام ہونے کے وقت ہی تعلیم قرآن کی التجا پیش کی، ارشاد ہوا انک لغلام معلم، بے شک و شبہہ تم نوجوان معلم ہو، ستر سورتین خود ذات اقدس سے حفظ کین، پہلے شخص ہین جنھون نے آنحضرتؐ کی طرف سے کفار قریش کو قرآن مجید (سورۂ الرحمن) حرم مین سنایا، سخت زحمت اٹھائی، کفار منہ پر ضربین مارتے تھے اور یہ سورۂ الرحمن سنائے جاتے تھے، کسی نے اس تکلیف پر اظہار افسوس کیا تو فرمایا کہو تو پھر سنا دون، اب کفار سے زیادہ کوئی میری نظر مین ناچیز نہین، یہ گویا پہلا سبق معلمی کا تھا،

اسلام سے مشرف ہونے کے بعد بھی حضرت سرورِ عالمؐ نے انکو اپنی خدمت سے مخصوص کر لیا تھا، اذن عام تھا کہ پردہ اٹھا کر خدمت مین چلے آئین، راز کی باتین بھی سنین، مگر جب کہ روک دیے جائین، باہر تشریف اوری کے

---

[1] ان حالات کا ماخذ، طبقات ابن سعد، تاریخ الخطیب، اسد الغابہ، الاستیعاب، الاصابہ، اعلام الموقعین، اور نزہۃ الابرار فی الاسامی والاخیار ہین، شروانی،

وقت نعلین مبارک پہناتے، عصا لیکر دائین جانب آگے چلتے، مجلس کے قریب پہنچکر نعلین مبارک اتار کر بغل مین
رکھ لیتے، عصا پیش کرتے، مراجعت کے وقت بھی یہی عمل ہوتا، واپسی پر اول حجرہ مین داخل ہوتے، وضو کے وقت
مسواک پیش کرتے صحابۂ کرام مین صاحب النعلین والسواک والسواد اُن کا لقب تھا، یعنی نعلین مبارک، مسواک
اور راز کے محافظ، سفر مین بستر مبارک، طہارت کا پانی، مسواک، نعلین مبارک ان کی تحویل مین رہتین، حضرت
ابو موسیٰ اشعریؓ جب یمن سے مدینہ طیبہ پہنچے ہین، تو کثرت باریابی دیکھکر حضرت ابن مسعودؓ اور ان کی والدہ کو اہلبیت
سمجھے، دو بار ہجرت کی، ایک بار حبشہ کو دوبارہ مدینہ منورہ کو، تمام غزوون مین شریک ہوے، بدر مین ابو جہل
کا سر خود اس کی تلوار سے کاٹا، جو صلے مین عطا ہوئی، ضعیف الجثہ تھے ایک موقع پر ان کی باریک پنڈلیان
دیکھکر صحابۂ کرام ہنس پڑے، تو آپ نے فرمایا عبداللہ قیامت کے دن میزان مین احد سے بھی زیادہ بھاری
ہونگے، دوسری روایت مین ہے کہ عبداللہ کا ایک پانون اُحد سے زیادہ بھاری ہوگا، جنت کی بشارت پائی،
۳۲ھ مین مدینہ منورہ مین وفات پائی، حضرت عثمانؓ نے نماز جنازہ پڑھائی، بقیع مین دفن ہوئے

حضرت ابو درداءؓ نے خبر وفات سنکر کہا، ما ترک خلفہ مثلہ اپنا مثل نہین چھوڑ گئے، عمر کچھ اوپر ساٹھ برس کی ہوئی،
لباس عمدہ سپید پہنتے تھے، عطر بہت لگاتے، رات مین عطر کی خوشبو سے پہچان لئے جاتے، دولتمند تھے،
نوّے ہزار درہم ترکے مین چھوڑے، بیس ہزار درہم خزانۂ خلافت مین جمع تھے، وہ بھی ورثا کو ملے،

حضرت سرور عالم اُن سے قرآن مجید پڑھوا کر سنتے تھے، حیات مبارک کے سال آخر مین جب حضرت
جبرئیل نے رمضان مین دوبار کلام مجید آپ کو سنایا تو یہ بھی حاضر تھے، اسطرح اخیر نسخ و تبدیل سے آگاہی کا موقع
ملا، ارشاد نبوی ہے، کہ جس کو یہ محبوب ہو کہ قرآن اسی طراوت و تازگی سے پڑھے جیسا کہ وہ نازل ہوا ہے تو اسکو
چاہئے کہ ابن ام عبد کی قرأت سے پڑھے، ارشاد ہے و تمسکوا بعهد ابن ام عبد، ابن مسعودؓ کی ہدایت
اور حکم کو مظبوط پکڑے رہو، جن چار صاحبون سے قرآن سیکھنے کا حکم فرمایا گیا ان مین اول ان کا نام لیا، باقی تین
صاحب یہ ہین، (حضرت) معاذ بن جبلؓ، اُبی بن کعبؓ اور سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ، حافظ قرآن تھے صحابۂ کرام مین

ان کا اقرب الی اللہ وسیلہ ہونا، اور اقربہم زلفی (سب سے زیادہ اللہ سے قریب) ہونا مسلم تھا، ہیئت ظاہری، سیرت
اور طریقے مین اور شان و وقار مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ تھے، اسیطرح علقمہ حضرت ابن مسعودؓ سے مشابہ تھے
حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت مین حضرت عمار بن یاسرؓ کو امیر کوفہ اور ان کو وزیر و معلم بنا کر بھیجا۔ اہل
کوفہ کو اس موقع پر لکھا، مین ان دو صاحبون کو بھیجتا ہون جو نجبا صحابہ سے ہین، اور اہل بدر مین ہین اُن کی
اقتدا اور اطاعت کرو اور حکم مانو، عبداللہ بن مسعودؓ کو مین نے قسم ہے رب کی اپنے اوپر ایثار کرکے تمہارے
پاس بھیجا ہے، ان کی نسبت حضرت عمرؓ کا قول ہے، کُنیف ملاء علمًا۔ ایک تھیلا ہین علم سے بھرے ہوئے
یہ قول تین بار مکرر فرمایا، حضرت علیؓ کا قول ہے" قرأ القرآن فاحل حلاله وحرم حرامه فقيه
الدين عالم السنة"۔ ابن مسعود نے قرآن پڑھکر جو اس مین حلال تھا اس کو حلال کیا اور جو حرام تھا اسکو حرام
دین کے فقیہ ہین، سنت کے عالم، امام شعبی کا قول ہے، ماکان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم افقه من صاحبنا عبد الله بن مسعود، اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مین ہمارے استاد عبد اللہ
بن مسعودؓ سے بڑھکر کوئی فقیہ نہ تھا،

روایت حدیث بہت کم کرتے تھے، الفاظ حدیث مین سخت احتیاط کرتے تھے، جس وقت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
زبان سے نکلتا کانپ اٹھتے، فرماتے تھے لیس العلم بکثرة الرواية ولكن العلم الخشية، علم کثرت روایت کو نہین
کہتے بلکہ علم خدا سے ڈرنے کو کہتے ہین، عمرو بن میمون کا قول ہے کہ مین ایک برس عبداللہ بن مسعود کے پاس رہا، ایک دن بھی ان
نے رسول اللہ کی حدیث روایت نہین کی، نہ یہ کہا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صرف ایک بار حدیث بیان کی اور
ان کی زبان پر لفظ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاری ہوا، بیقرار ہو گئے، مین نے دیکھا کہ ان کی پیشانی
سے پسینہ ٹپک رہا تھا، الفاظ بالا کہکر یہ الفاظ کہے، ان شاء اللہ اما فوق ذاک واما قریب من ذاک او دون ذاک،
ان شاء اللہ یا اس سے بڑھکر یا اس کے قریب یا اس سے کم، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ سے حدیث سنی، حضرات ابن عباسؓ،
ابن عمرؓ اور ابن زبیرؓ نے منجملہ دیگر صحابہ کے ان سے حدیث سنی، تابعین مین علقمہ، اسود، مسروق، ابو وائل شقیق، شریح وغیرہم نے

حالات بالا پر ایک نظر حضرت ابن مسعودؓ کے حسب ذیل اوصاف نمایاں ہین، قدیم الاسلام ہونا، ابتدا سے انتہا تک ذات اقدس سے قربِ تام اور شرفِ خدمت ہمہ وقت محرم اسرار ہونا، وفورِ علم وشانِ علمی و خوبیِ تعلیم، حافظ و اعلم بکتاب اللہ ہونا، علم وفقہ وسنت مین فوقیت اور تفقہ مین باریک نظری، قرب النبی و وسیلہ الی اللہ ہونے مین امتیاز، ہیئتِ ظاہری، سیرت اور طریقے مین اور شان و وقار مین سب سے زیادہ آپ سے مشابہ ہونا، آنحضرتؐ کا ارشاد تمسکوا بعھد ابن ام عبدؓ ابن مسعود کی ہدایت اور حکم کو مضبوط پکڑے رہو، حضرت عمرؓ کا ان کے علم وتفقہ پر اعتماد کلی، اہل کوفہ کو ان کی اقتدا و اطاعت اور ان کے حکم ماننے کا امر، حضرت علیؓ کی ان کے علم کتاب وفقہ وسنت کی توثیق، فقہ مین باریک نظری، روایتِ حدیث کی تقلیل اور حفاظتِ الفاظ مین احتیاط،

یہ تم سُن چکے کہ تمام صحابۂ کرام کے علم کے حامل چھ حضرات تھے، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم اجمعین، یہ بھی سُن چکے ہو کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کا علم حضرت ابن مسعودؓ اور ان کے شاگردون کے پاس رہا، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے ان سے حدیث سنی، مسروق کا قول پڑھ چکے کہ چھ کا علم دو کو پہنچا، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت علیؓ کو، یہ بھی سن چکے کہ حضرت علیؓ کا علم وہی محفوظ رہا جو اہل بیت اطہار کے سینون مین رہا یا حضرت ابن مسعودؓ کے، نتیجہ ظاہر ہے کہ علم صحابہ کے مرجع اخیر اور خزینہ دار حضرت ابن مسعودؓ تھے، رضی اللہ عنہ،

اس خلاصۂ حالات سے حضرت ابن مسعودؓ کے وجود کی عظمت علم وتعلیم کی جلالت ثابت ہوتی ہے، اسی کا اثر تھا جو خطیب نے لکھا ہے کہ فبث عبد الله فیھم علما کثیرا وفقہ منھم جما غفیرا، عبد اللہ نے اہل کوفہ مین علم بکثرت پھیلایا، اور گروہ کثیر کو فقیہ بنا دیا، حضرت ابن مسعودؓ کے شاگردون کی بابت حافظ ابن قیمؒ کا قول پڑھ چکے کہ اکابر تابعین سے تھے، اور اکابر صحابہ کی موجودگی مین فتوی دیتے تھے، جن کو وہ حضرات جائز رکھتے،

علقمہ بن قیس نخعی ہین، التابعی الکبیر الجلیل الفقیہ البارع، بڑی شان کے جلیل القدر تابعی فقیہ عقل و دانش مین فائق، کان من الربانیین، علماے ربانی مین سے تھے، اجمعوا علی جلالتہ وعظم محلہ

ووفور علمہ وجمیل طریقتہ، ان کی جلالتِ شان، عالی قدری اور خوبیِ طریقہ پر اجماع ہے، ابراہیم النخعی کا قول ہے، کان علقمۃ یشبہ بابن مسعود، علقمہ ابن مسعود سے مشابہ تھے (تہذیب الاسماء نووی) دیکھو عہد اسلام کی سیر حاصلی، ان کے دو ۲ بھتیجے، اسود اور عبد الرحمن بلند مرتبہ تابعی ہین، اور ایک نواسہ ابراہیم نخعی، ایک گھر مین چار عالی قدر تابعی!

مسروق الہمدانی اتفقوا علی جلالتہ وتوثیقہ وامامتہ، ان کی جلالت، امامت اور ثقہ ہونے پر اجماع ہے، حضرت ابو بکرؓ کے پیچھے نماز پڑھی، حضرت عمرؓ و حضرت علیؓ سے ملاقات کی، امام شعبی کے استاد ہین (۰۰۰۰۰)

اسود النخعی تابعی فقیہ امام صالح، حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ کو دیکھا، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ و حضرت عائشہؓ وغیرہم سے روایت کی، اتفقوا علی توثیقہ وجلالتہ۔ ان کے ثقہ ہونے اور جلالت پر اتفاق ہے، اسی حج اور عمرے علیحدہ علیحدہ کئے، (" " ")

عمرو بن شرحبیل الہمدانی، امام بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی اور نسائی نے ان سے روایت کی ہے، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے روایت کی، (خلاصہ تذہیب) ثقہ عابد تھے (تقریب التہذیب)

شریح القاضی زمانۂ نبوت پایا، حضوری سے مشرف نہ ہوئے، حضرت عمرؓ نے ان کو قاضی کوفہ مقرر کیا، وہان ساٹھ برس تک قاضی رہے، حضرت علیؓ نے ان سے فرمایا انت اقضی العرب تم عربون مین قضا مین فائق ہو، ان کی روایتون کے حجت ہونے اور اُن کے ثقہ ہونے اور دین وفضل پر اور ذکاوت پر اتفاق ہے، نیز ان کے سب سے زیادہ عالم قضا ہونے پر (تہذیب الاسماء)

ابراہیم النخعی تابعی جلیل القدر، حضرت عائشہؓ کی خدمت مین باریاب ہوئے، ان کے ثقہ ہونے، جلالت شان اور فقہ مین فائق ہونے پر اتفاق ہے، شعبی نے اُن کی وفات کے وقت فرمایا ما ترک احدا اعلم منہ وافقہ، انھون نے اپنے آپ سے زیادہ عالم اور فقیہ نہیں چھوڑا، اعمش کا قول ہے، کان النخعی صیرفی الحدیث، نخعی حدیث کے نقاد تھے، (" " ")

حماد بن ابی سلیمان اشعری کوفی ہیں، ابو اسمٰعیل کنیت، حضرت انس اور ابن المسیب اور ابراہیم سے روایت کی اور ان سے ۔ ۔ ۔ ۔ ابو حنیفہ اور شعبہ نے، ثقہ امام مجتہد سخی و جواد تھے، ابو اسحٰق کا قول ہے کہ وہ شعبی سے فقہ میں فائق تھے، (الذہبی) (الکاشف)

فقہ حنفی پر ایک نظر،

(۱) بیان بالا سے واضح ہو چکا کہ جس علم صحابۂ کرام کے مرجع آخر و خزینہ دار حضرت ابن مسعودؓ تھے، وہ تابعین کبار کو پہنچا، ان سے ابراہیم نخعی کو، ان سے حماد بن ابی سلیمان کو، ان سے امام ابو حنیفہ کو، ان سے ابو یوسف و محمد بن حسن وغیرہ جانشین تلامذہ کو، یہی وہ علم تھا جس کی تدوین و ترتیب کا اہتمام اکابر صحابۂ کرام نے اہتمام کتاب اللہ کے بعد اس زمانے میں کیا جبکہ روایتِ حدیث قلیل تھی، بلکہ روکی جاتی تھی، خلفائے راشدین کا دور اسی کے اہتمام میں صرف ہو گیا، امام اعظم اور ان کے تلامذہ کی کوششوں نے اس علم دین کو مدون و مرتب کر کے ایک ایسا آئین شریعت ملک و ملت کے سامنے رکھدیا جو حق و ہدایت کی قوت سے دنیائے اسلام کی عبادات و معاملات کی ضرورتوں اور حاجتوں کو روا کرتے اور دنیائے اسلام میں پھیلنے کے لیے تیار اور آمادہ تھا، اس علم کی یہ عجیب خصوصیت ہے کہ چار پشت تک تابعین کے سینوں میں بسنے کے بعد امت کو ملا، اس کا نتیجہ بدیہی یہ ہے کہ امام اعظم کا علم صحابۂ کرام کے علم کا مجموعہ ہے اور وہ فقہ حنفی ہی ہے،

(۲) مذہب اسلام روئے زمین کے انسانوں کے لیے آخری دین الٰہی ہے، اس کا اعلان ہے کہ اللہ اور اس کے رسول غالب رہیں گے، یہ بھی اس کا اعلان ہے کہ وہ تمام ادیان پر حق و ہدایت کی قوت سے غالب رہیگا، اور یہ بھی کہ حزب اللہ کا طرۂ امتیاز غلبہ ہے،

اسلام کے فرق باطلہ کے باطل ہونے کی بڑی دلیل یہی ہے کہ وہ کبھی دیرپا غلبہ روئے زمین پر نہ پا سکے، ان کا کارنامہ یہی ہے کہ کسی نہ کسی طرح انھوں نے اپنے وجود کو قائم رکھا، مثال کے لیے دیکھو فرقۂ باطنیہ کی تاریخ، مذاہب حقہ میں سب سے زیادہ غلبہ مذہب حنفی کو ابتداء سے آج تک حاصل رہا ہے، مورخین و محدثین اس کے شیوع کو زمین پر چھا جانے سے تعبیر کرتے ہیں، امام سفیان بن عیینہ کا قول تم نے پڑھا ہے کہ ابو حنیفہ کی رائے آفاق میں پہنچ گئی، وقد بلغ الآفاق، خطیب نے امام ابو یوسف کے حالات میں لکھا ہے، وبث علم ابی حنیفۃ فی اقطار الارض

انھوں نے ابو حنیفہ کا علم زمین کے ایک کنارہ سے دوسرے کنارے تک پہنچا دیا،

تم اوپر پڑھ چکے ہو کہ شیخ طاہر پٹنی صاحب مجمع البحار نے المغنی میں فقہ حنفی کا وصف سارے آفاق میں پھیلنا اور روئے زمین کو ڈھک لینا لکھا ہے، ان کے الفاظ ہیں: "العلم المنتشر فی الآفاق وعلم طبق الارض" یہ بھی لکھا ہے کہ اگر مذہب و فقہ حنفی میں اللہ تعالیٰ کا سر خفی نہ ہوتا تو نصف یا اس کے قریب اسلام اس کے تقلید کے جھنڈے کے نیچے جمع نہ ہو جاتا، ملا علی قاری نے دو ثلث اہل اسلام کا گیارہویں صدی ہجری میں حنفی ہونا لکھا ہے، اس کی قوتِ ظہور اور خوبیِ تدوین و کمالِ ترتیب کا اندازہ اس سے کرو کہ امام اعظم کی وفات کے ٹھیک سولہ[1] برس بعد خلیفۂ بغداد ہادی کے عہد میں امام ابو یوسف ۱۶۶ھ میں قاضی مقرر ہوتے ہیں، وہ قوت ان کے علم میں ہے کہ عہدِ اسلام میں اول مرتبہ قاضی القضاۃ کی طیلسان ان کے وجود پر راست آتی ہے، اور فقہ حنفی روئے زمین پر کارفرما بنجاتی ہے، ہارون الرشید کی خلافت کے شایان قاضی القضاۃ اول امام ابو یوسف ہی ٹھہرے، خلافت عباسیہ کے بعد جتنی ایسی قوتیں برسرکار آئیں جنکی قوت اور غلبہ کو بین الاقوام اور بین الممالک مرتبہ حاصل ہوا وہ قریباً سب کے سب حنفی تھیں، مثلاً آل سلجوق، آل عثمان، عالمگیری ہندوستان بجائے خود ایک بر اعظم تھا، یاد تازہ کرو حافظ ابن قیم کے اس بیان کی کہ مسروق کا قول ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کا علم وہ خلیج ہے کہ اگر اس پر روئے زمین کے تشنہ کام وارد ہو جائیں تو سیراب ہو سکیں، ملاؤ اس کے ساتھ حضرت مجدد الف ثانی کا کشف کہ نظر کشفی میں دوسرے مذاہب حیاض و جداول کی شکل میں منکشف ہوتے ہیں، مذہب حنفی بشکل دریائے زخار جو عرش سے گر رہا ہے، دوسرے مذاہب حقہ عموماً یا ملک سے مخصوص رہے یا نسل سے، بین الاقوامی مرتبہ کمتر پا سکے،

اسلام کی قوت و حقانیت کی کھلی ہوئی دلیل اس میں ہے کہ اس کے احکام میں مختلف ممالک و مختلف نسلہائے انسانی کی ضرورتوں کا لحاظ پایا جاتا ہے، اور ان کے حامل مذاہب حقہ ہیں، اگر کبھی یہ بحث لکھی جائے کہ مذاہب اربعہ مختلف ممالک اور مختلف نسلوں میں کس مناسبت سے پھیلے تو علم نفسیات کا دلچسپ باب ہوگا،

دیکھو تابعین و تبع تابعین کے دور میں ہزاروں نہیں تو سینکڑوں صاحب مذہب امام و مجتہد تھے، جنکے

مذاہب پھیلے، اور مضمحل ہو گئے، بالآخر متبوع جاری رہے،

ان میں بھی جو شیوع و غلبہ مذہب حنفی کو رہا ظاہر ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں غلبۂ و ظہور کی جو قوت و برق حق و ہدی کی مدد سے تھی اس کا وافر حصہ مذہب حنفی میں ودیعت تھا، اور یہی وہ خفی سرّ الٰہی ہے جس کو شیخ طاہر پٹنی مذہب حنفی کی کامیابی و غلبہ کا سبب بتاتے ہیں، ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے، عام طور پر مذہب حنفی اور مذہب مالکی کی کامیابی کا سہرا امام ابو یوسف اور امام یحییٰ بن یحییٰ المصمودی کے سر باندھا جاتا ہے کہ ان کا وجود نہ ہوتا تو شیوع حاصل نہ ہوتا، یہ صحیح ہے کہ یہ دونوں امام ان دونوں مذہبوں کے شیوع و رواج کا زبردست ذریعہ بنے، لیکن یہ صحیح نہیں کہ ان کے شیوع اور ترویج کی علت تامہ وہ دونوں ہیں، اس پر غور کرنا چاہئے کہ تعلیم سے شاگرد پیدا ہوتے ہیں، تصانیف پیدا ہوتی ہیں، نہ یہ کہ استاد کی تعلیم کی خوبی شاگرد پیدا کرتا ہے، شخصی کوششوں سے فروغ و رواج تعلیم ضرور ہوتا ہے مگر عالمگیر غلبہ و ظہور جو صدیوں تک قائم و باقی رہے وہ خود اس تعلیم کی اندرونی قوت و اثر ہی سے ہو سکتا ہے، بالآخر کامل شاگردوں کا وجود بھی تو قوت و خوبی تعلیم کا منت کش ہے، امام ابو یوسف اور امام یحییٰ بھی مذہب حنفی و مالکی کی قوت کا ثبوت ہیں[1]۔

نتیجۂ واقعات بالا یہ ہے کہ محدثین کرام کی شہادت و توثیق کے بموجب امام ابو حنیفہ کا علم حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا علم تھا جو تیئیس برس کی ضمنیتِ تام اور قربِ خاص میں مشکوٰۃ نبوت سے براہ راست حاصل کیا گیا، اور جو بالآخر تمام صحابۂ کرام کے علم کا مجموعہ بنا، اور چار پشت تک تابعین کبار و کرام کے سینوں سے گذر کر امام اعظم کے تلامذۂ رشید کو پہنچا اور انھوں نے عالمِ اسلام کو پہنچایا، اور جو آخر تک فقہائے عظام کی کوششوں سے ایک عالم کے واسطے سرمایۂ اعمال حسنہ بنا ہوا ہے، اور چونکہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اقرب الی اللہ وسیلۃً تھے لہٰذا خالق اکبر جل جلالہ کی بارگاہ میں اس کے عاجز بندوں کے لئے وسیلۂ عظمیٰ ہے، فالحمد للہ علی ذلک

(باقی)

[1] خاکسار اس حصہ مضمون و حصہ جرح کی نگارش میں مفتی سید عبد اللطیف صاحب استاد جامعہ عثمانیہ کے مشورہ کا دل سے ممنون ہے اگر وہ مشورہ نہ ہوتا تو حق یہ ہے کہ حق بحث اس جامعیت سے ادا نہ ہوتا، شروانی؛